سعدیہ عابد

مکمل ناول

نیلی آنکھوں کے حصار میں ہوں

''اللہ اکبر...... اللہ اکبر''۔ مسجد سے آتی موذن کی آواز جیسے ہی مسٹر دج کے کانوں میں پڑی تھی انہوں نے بستر چھوڑ دیا تھا' وضو کر کے نماز ادا کی تھی اور وہاج کے کمرے کا رُخ کیا تھا۔

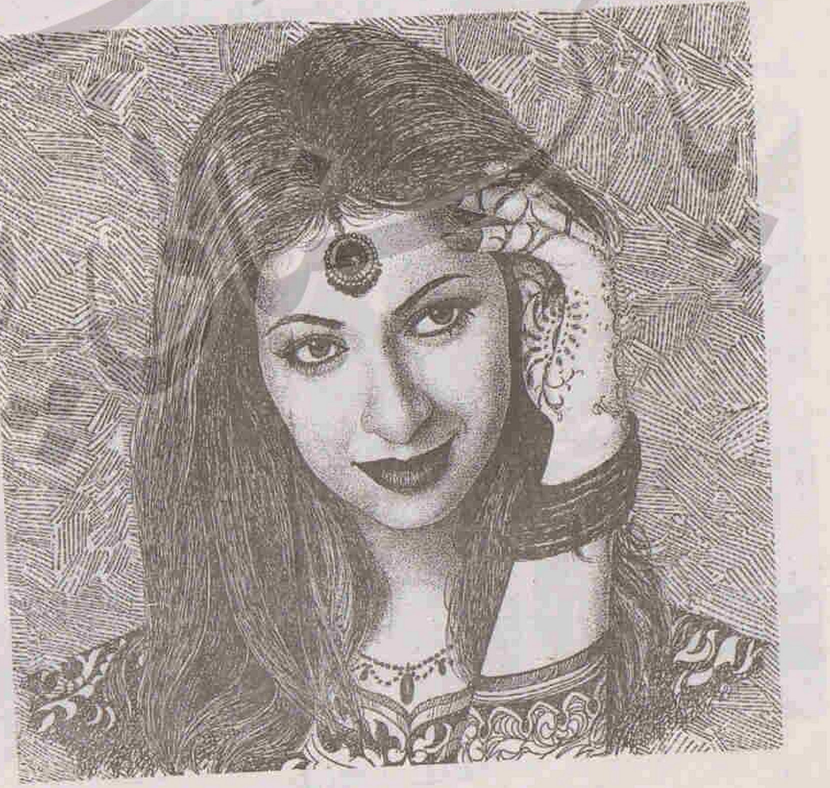

''وجی بیٹے! جلدی سے اٹھ جاؤ جان' نماز کا ٹائم نکل رہا ہے''۔ مسٹر دج نے اُسے اٹھتے نہ دیکھ کر کمبل گھسیٹا تھا اور وہ ناگواری سے انگڑائی لیتا مندی مندی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''کتنا خوبصورت خواب دیکھ رہا تھا' سارا خواب ٹوٹ گیا' آپ میری روز ہی نیند خراب کر دیتے ہیں''۔ جمائی روکتا ہوا بولا تھا۔

''اونہوں...... بُری بات' نماز ایک فرض عبادت ہے جس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے' جلدی سے اٹھ کر نماز ادا کرو نماز پڑھنے کے بعد بے شک سو جانا''۔ مسٹر دج نے اُسے تنبیہہ کی تھی اور وہ وضو کرنے چل دیا تھا اور روز کی طرح وہ نماز پڑھتے ہی سو بھی گیا تھا جبکہ مسٹر دج معمول کی طرح واک کے لیے چلے گئے تھے۔

شاذل ربانی شہر کے بہت بڑے بزنس مین تھے اور ان کے دو بیٹے ہادج ربانی اور وہاج ربانی تھے' ہادج ربانی وہاج سے پورے آٹھ برس بڑے تھے اور جس وقت شاذل ربانی اور ان کی وائف کی ایک ایکسیڈنٹ میں موت ہوئی ہادج ربانی صرف 22 برس کے تھے' اتنی سی عمر میں انہوں نے چھوٹے بھائی کو جو 14 برس کا تھا نا صرف اُسے سنبھالا

بلکہ بزنس کو بھی مکمل طور پر سنبھال لیا‘ یہ سب کرنا اُن کے لیے آسان نہ تھا اور وہ بھی ایک دشمن کی موجودگی میں‘ شاذل ربانی کا سوتیلا بھائی باذل ربانی‘ وہ بھائی کی موت کے بعد اس کے بزنس اور جائیداد پر قبضے کا خواہشمند تھا مگر شاذل ربانی نے بے انتہا کوششوں اور محنت کے بعد ڈوبتے ہوئے بزنس کو سنبھالا اور آج چھ برس گزرنے کے بعد بزنس کی وہی کنڈیشن تھی جو شاذل ربانی کی زندگی میں تھی۔

☆☆☆

”امو جان! ناشتہ جلدی لے آئیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ باطشہ زمان باقاعدہ ٹیبل بجاتے ہوئے جلدی جلدی کا شور مچا رہی تھی۔

”کبھی صبر بھی کر لیا کرو لڑکی۔“ بیٹی سے نالاں آسیہ زمان اس کے سامنے ناشتہ رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

”باطشہ! ناشتہ پورا ختم کرو۔“ اُسے آدھا دودھ کا گلاس اور ایک سلائس کھا کر اُٹھتے دیکھ کر زمان صاحب بولے تھے۔

”آئی ایم آل ریڈی لیٹ بابا جانی!“ وہ جلدی سے بیگ اور فائل اٹھاتی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

”توبہ ہے اس لڑکی سے...... شور اتنا کرتی ہے اور کھاتی کچھ بھی نہیں اور تم کیا مسکرائے جا رہی ہو‘ یونیورسٹی نہیں جانا۔“ وہ قدرے خفا ہوئی تھیں۔

”آج میرا پہلا پیریڈ نہیں ہوگا۔“ باسطہ چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے بولی تھی اور دونوں باپ بیٹی ساتھ ہی گھر سے نکل گئے تھے۔

زمان صاحب کا تعلق متمول گھرانے تھا‘ اولاد نرینہ تھی نہیں‘ دو بیٹیاں تھیں باسطہ زمان این ای ڈی میں B.E کے فرسٹ ایئر میں تھی‘ اس سے چھوٹی باطشہ زمان انٹر سائنس کی اسٹوڈنٹ تھی‘ زمان صاحب اپنی بچیوں خاص کر باطشہ سے بہت محبت کرتے تھے۔

☆☆☆

”وجی! بے کار کی ضد نہ کرو جان‘ ابھی تم بچے ہو۔“

”میں بچہ نہیں ہوں‘ یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں‘ مجھے نہیں پتہ بھیا جانی! آج ہی مجھے مرسڈیز چاہیے‘ میرے تمام فرینڈز کے پاس اپنی گاڑی ہے اور آپ نے مجھے اب تک بچہ بنایا ہوا ہے۔“ اُن کی بات کاٹ کر قدرے خفگی سے کہا گیا تھا۔

”اوکے مائی سن! تم جیتے اور میں ہارا مگر ابھی تو میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں‘ شام میں شو روم چلیں گے۔“ مسٹر دج اس کی اُتری صورت دیکھتے ہوئے بولے اور وہ ”یاہو“ کرتا ان کے ساتھ ہی یونیورسٹی جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

”زمان صاحب! یہ سب کیا ہے؟ یہ دو نمبر میٹریل مارکیٹ میں چلا جاتا تو ہماری ریپوٹیشن کیا رہ جاتی‘ مال لوڈ کرنے سے پہلے کم از کم چیک تو کر لیتے‘ کم از کم آپ سے مجھے اتنی غیر ذمہ داری کی ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔“ مسٹر دج زمان صاحب پر غصہ کر رہے تھے اُن کے ذمے مسٹر دج نے مال سپلائی کرنے کا کام لگایا تھا اور سارا مال لوڈ کیا جا چکا تھا اور اینڈ وقت پر مسٹر دج نے اپنی تسلی کے لیے پیک ہوئے مال میں سے ایک ڈبہ کھول کر دیکھ لیا‘ جس میں کسی نے ملاوٹ کر دی تھی‘ اسی وقت مسٹر دج نے لوڈ کیا ہوا مال واپس گودام میں پہنچانے کا کہا اور ہر پیک کی سیل کھولنے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔

”میں خود نہیں سمجھ پا رہا‘ آخر یہ سب ہوا کیسے؟ میں نے خود پیکنگ کروائی تھی۔“ زمان صاحب شرمندگی و خجالت کی ملی جلی کیفیت سے گزر رہے تھے۔

”اس سب میں باذل ربانی کے علاوہ کسی کا ہاتھ ہو ہی نہیں سکتا‘ جتنی جلدی ہو سکے باذل ربانی کے خلاف ثبوت جمع کریں اور پتہ کریں اُن لوگوں کا جو کھاتے ہمارا ہیں مگر دم باذل ربانی کا بھرتے ہیں۔“ مسٹر دج درشتگی سے کہہ رہے تھے زمان صاحب اثبات میں سر ہلاتے ان کے روم سے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

”وجی! پورے دھیان سے اور سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرو۔“ گاڑی کا بیلنس آؤٹ ہوتے دیکھ کر انہوں نے سمجھایا تھا‘ آج کل مسٹر دج اُسے ڈرائیونگ سکھا رہے تھے۔

”او گاڈ......!“ مسٹر دج کے سیل پر بپ ہوئی تھی اور ان کی نگاہ کے چوکتے ہی وہاج نے گڑبڑ کر دی تھی‘ مسٹر دج کے کنٹرول کرتے کرتے بھی سامنے سے جاتی ہوئی لڑکی کار سے ٹکرا گئی تھی‘ مسٹر دج پریشانی سے فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلے تھے۔

”مس آر یو اوکے؟“ مسٹر دج سڑک پر پھسکڑا مارے بیٹھی لڑکی کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

”آپ لوگ سڑک پر چلنے والوں کو کیڑا مکوڑا کیوں تصور کرتے ہیں‘ گاڑی آپ کی ہے لیکن سڑک تو آپ کے باپ کی نہیں ہے۔“ وہ بیٹھے بیٹھے ہی چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔

”دیکھیے مس! یہ سب انجانے میں ہوا ہے۔“ مسٹر دج کھڑے ہوتے ہوئے غصہ ضبط کر کے نہایت ناگواری سے بولے تھے۔

”او...... میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آپ بڑے لوگ غلطی کر ہی نہیں سکتے۔“ اٹھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے طنز کیا تھا۔

”آپ بات کو فضول میں بڑھاوا دے رہی ہیں اور مجھے تو نہیں لگتا کہ آپ کے کہیں چوٹ آئی ہے۔“ یہ وہاج تھا۔

”اے مسٹر! میرے پیر میں موچ آ گئی ہے‘ تکلیف کے مارے مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا‘ اور تمہارا کیا خیال ہے میری ٹانگ ٹوٹ جاتی میں لنگڑی ہو جاتی تب ہی زخمی ہوتی۔“ وہ وہاج پر چڑھ دوڑی تھی۔

”چلیں بھیا جانی! مجھے تو یہ لڑکی پاگل لگتی ہے۔“

”اے مسٹر! پاگل کس کو کہا؟ ہو گے خود پاگل! اتنی حسین لڑکی سے بات تک کرنے کی تمیز تمہیں ہے نہیں‘ مجھے تو تم پاگل کے ساتھ ساتھ اندھے بھی لگتے ہو۔“ وہ وہاج کو گھور رہی تھی۔

”خوبصورت اور تم...... کبھی آئینہ دیکھنے کی غلطی کی ہے‘ مجھے تو......“

”وجی! جا کر گاڑی میں بیٹھو۔“ مسٹر دج ان کی بحث سے اُکتا گئے تھے۔

”آئی ایم سوری مس! آپ کو ہماری وجہ سے اتنی تکلیف سہنا پڑی‘ آپ پلیز آئیے‘ ہم آپ کو ڈراپ کر دیں گے اگر یونہی سڑک پر کھڑے رہے تو یقیناً آپ اسکول سے لیٹ ہو جائیں گی۔“ مسٹر دج اس کی بکھری کتابیں سمیٹتے ہوئے شائستگی سے کہہ رہے تھے اور ان کی آخری بات نے اس کا دماغ بھک سے اُڑا دیا۔

”آپ لوگ تو واقعی دیکھنے سے محروم ہیں‘ آپ کو ڈرائیونگ لائسنس دے کس (اندھے) نے دیا‘ حد ہو گئی یعنی کہ میں اتنی بڑی حسین دوشیزہ آپ کو اسکول گرل دکھائی دیتی ہوں‘ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اسکول نہیں مابدولت کالج جا رہے تھے۔“ اس کے بہت فخریہ انداز پر مسٹر دج چاہ کر بھی مسکراہٹ نہ روک سکے‘ گرے شرٹ،

کے اوپر بلیو ربن لگا دوپٹہ وائٹ شلوار سادہ سی بلیو ربن سے بندھی دو چوٹیاں میک اپ سے پاک معصوم گلابی چہرہ اور نیلی بڑی بڑی آنکھوں سے جھلکتی واضح ناگواری وہ کہیں سے بھی تو کالج گرل نہیں لگتی تھی مسٹر وِج کے یوں مسکراتے ہوئے دیکھنے پر باطشہ زمان نے گھبرا کر اُن کے ہاتھوں سے کتابیں لی تھیں اور ان کے اصرار پر بھی اُن کی مدد لینے سے انکار کرتی جھک کر بیگ اٹھانے لگی تھی اُسے نہ جانے کیوں ان کی سرخ انگارہ آنکھوں سے خوف سا محسوس ہوا تھا اس کے انکار پر وہ ڈرائیونگ ڈور کھول کر بیٹھ گئے تھے۔

............☆☆☆............

''باسطہ! آخر ہم لوگ کب امیر ہوں گے؟ میرے پاس بھی گاڑی ہوتی تو آج سوجے ہوئے پاؤں کے ساتھ نہ بیٹھی ہوتی''۔ وہ پٹی باندھتی ہوئی باسطہ سے کہہ رہی تھی۔

''پاگل لڑکی! کیا ان لوگوں کے ایکسیڈنٹ نہیں ہوتے جو گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں؟'' باسطہ فرسٹ ایڈ باکس الماری پر رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو باسطہ! مگر میرا دل کرتا ہے کہ میرے پاس بھی اپنی گاڑی ہو خوبصورت سا بنگلہ ہو اور آج میرے پاس بھی دولت ہوتی تو کیا میں کالج ٹرپ پر نہیں چلی جاتی''۔ وہ بہت مایوس سی تھی۔

''اس میں اتنی مایوسی اور پریشانی والی کون سی بات ہے ٹرپ پر تو تم اب بھی جا سکتی ہو''۔ باسطہ نے کہتے ہوئے اسے اپنے جمع کیے ہوئے روپے دیئے تھے اور زمان صاحب سے جانے کی اجازت بھی دلوا دی تھی کیونکہ وہ اسے اکیلے بھیجنا نہیں چاہتے تھے ان دونوں کی ضد کے آگے مجبور ہو گئے تھے اور باسطہ کے پیسے اسے لوٹا کر سارے انتظامات خود ہی کر دیئے تھے۔

............☆☆☆............

''بھیا جانی! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ بھابی کے آنے سے گھر میں رونق ہو جائے گی''۔ وہاج کاؤچ پر نیم دراز میگزین پڑھتے مسٹر وِج سے کہہ رہا تھا۔

''وہاج بیٹے نے بالکل ٹھیک کہا ہے ہادج بیٹے اب آپ کو شادی کر لینی چاہیے''۔ بی اماں چائے بناتے ہوئے بولی تھیں۔

''آپ کہاں اس کی باتوں میں آ رہی ہیں''۔ بیٹھتے ہوئے چائے لی تھی۔

''اب آپ کی میں ایک نہیں سنوں گا بھیا جانی! آپ خود لڑکی ڈھونڈ لیں ورنہ یہ کام بھی میں خود ہی کر لوں گا مگر بعد میں شکوہ مت کیجیے گا کہ اس کی ناک چپٹی ہے قد بوٹا ہے آنکھیں نشیلی نہیں ہیں اور......''

''اسٹاپ اٹ وجی! تم یونیورسٹی پڑھنے جاتے ہو یا میرے لیے لڑکیاں تلاش کرنے میری شادی کی فکر کرنے کے بجائے تم صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو نیکسٹ منتھ تمہارا سیمسٹر اسٹارٹ ہونے والا ہے''۔ ایک شبیہہ اُن کی آنکھوں میں لہرائی تھی اور وہ خلاف توقع وہاج سے اونچی آواز میں بات کر گئے تھے اس کی افسردہ شکل دیکھ کر انہیں غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''سوری...... وجی!'' وہ شرمندہ ہو گئے تھے اور اس کی افسردہ شکل تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے جبھی اس کے خوش کرنے کو ہاں بول دی تھی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں بھیا جانی!'' وہ بہت بے یقین تھا۔

''تم سے پہلے بھی جھوٹ کہا ہے مگر یاد رکھنا یہ کام تم سیمسٹر کے اختتام کے بعد کرو گے رزلٹ پر فرق پڑا تو اپنا

ارادہ کینسل کرنے میں ایک پل ضائع نہیں کروں گا''۔ اس کے جوش کو دیکھتے ہوئے تنبیہہ کی تھی اور اُس وقت ان کے موبائل پر بپ ہوئی تھی یس کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

''واٹ......؟ تم زمان صاحب کو لے کر ہاسپٹل پہنچو میں فوراً آ رہا ہوں''۔ مسٹر وِج نے والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اسے گھر میں رہنے اور کھانا کھا کر سو جانے کی ہدایت دیتے ہوئے ہاسپٹل کا رُخ کیا تھا۔

''ایکسکیوز می......! میں زمان صاحب کی بیٹی ہوں بابا کہاں ہیں؟'' آواز پر مسٹر وِج چونکے تھے اور انہوں نے I.C.U کی جانب اشارہ کر دیا تھا اور اسی وقت I.C.U کا دروازہ کھول کر ایک ڈاکٹر باہر آیا تھا اور اس کی کہی بات نے مسز زمان اور ان کی بیٹی کے ساتھ مسٹر وِج پر بھی گویا کوئی قیامت ڈھا دی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر......!'' وہ دونوں ساکت کھڑی تھیں اور مسٹر وِج بہت حوصلہ کر کے پوچھ رہے تھے۔

''مسٹر وِج! مریض کی حالت بہت کریٹکل ہے ٹانگیں بہت زخمی ہو گئیں ہیں اگر انہیں کاٹا نہیں گیا تو زہر سارے جسم میں پھیل سکتا ہے اور مریض کی جان بھی جا سکتی ہے''۔ ڈاکٹر نے تفصیلاً بتایا تھا۔

''پلیز...... مس! حوصلے سے کام لیں خدا کو یہی سب منظور......''

''میرے بابا اب کبھی نہیں چل سکیں گے وہ حوصلہ کہاں سے لائیں کہ بابا کو اُس حالت......'' آنسو روانی سے گالوں پر پھسل رہے تھے۔

''خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے زمان صاحب کی جان بچا لی ہے اور آپ حوصلہ ہار دیں گی تو زمان صاحب اور اپنی والدہ کو کیسے سنبھالیں گی غم بہت بڑا ہے مگر دکھوں کے سہارے تو زیست کا سفر طے نہیں ہوتا''۔ مسٹر وِج کی بات پر باسطہ نے سر اٹھا کر کچھ فاصلے پر صدمے سے چور آنسو بہاتی ماں کو دیکھا اور اپنے آنسو صاف کرتی ان کے نزدیک بیٹھ گئی باسطہ نے ان کے آنسو صاف کیے تھے اور اس کی خود اپنی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔

............☆☆☆............

''زمان صاحب! یہ احسان نہیں ہے آپ کا حق ہے اس وقت آپ ڈیوٹی پر تھے اور آپ کی مدد کرنا میرا فرض بنتا ہے''۔ چیک لینے سے انکاری زمان صاحب سے مسٹر وِج عاجزی سے بولے تھے۔

''آپ مجھے اس ماہ کی سیلری دے دیں بس وہی کافی ہے یہ چیک ابھی آپ اپنے پاس رکھیں جب مجھے ضرورت ہو گی خود مانگ لوں گا اور آپ نے اب تک میرے لیے جو کچھ کیا وہ کم نہیں ہے یہ چیک دے کر مجھے اپنا قرض دار نہ بنائیں''۔ زمان صاحب نے چیک ان کی جیب میں رکھ دیا تھا۔ اپنے باپ کی خودداری پر چند موتی باسطہ کی پلکوں سے ٹوٹ کر گرے تھے جنہیں چنتی وہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی اور چائے چیئر پر بیٹھے مسٹر وِج اور وہیل چیئر پر بیٹھے زمان صاحب کو دے کر باہر نکل گئی تھی۔

''اب مجھے اجازت دیں زمان صاحب! میری ضرورت محسوس کریں تو بلا جھجک مجھے فون کر کے بلا لیں آپ کے کام آ کر مجھے دلی مسرت حاصل ہو گی''۔ مسٹر وِج نے زمان صاحب سے مصافحہ کیا تھا اور جیسے ہی مڑے دھڑ سے دروازہ کھلا اور آندھی طوفان کی طرح ڈرائنگ روم میں ایک نسوانی وجود داخل ہوا جس کی نگاہ مسٹر وِج پر نہیں پڑی اور مسٹر وِج اُسے دیکھ کر قدرے حیران سے رہ گئے تھے۔

''آئی ایم بیک بابا جانی!'' کمرے میں کھنکتی ہوئی آواز گونجی تھی مگر جیسے ہی باطشہ کی نگاہ زمان صاحب کے وجود پر پڑی وہ ساکت رہ گئی مسز زمان اور باسطہ اس کے پیچھے ہی دوڑی ہوئی آئی تھیں۔

''یہ یہ...... سب کیا ہے؟'' وہ گھٹنوں کے بل ویل چیئر پر بیٹھے زمان صاحب کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ب' بابا! یہ نہیں ہو سکتا' آپ کیوں اس ویل چیئر پر بیٹھے ہیں' آپ مذاق کر رہے ہیں ناں' ایسا آپ نے صرف مجھے ستانے کے لیے کیا ہے ناں' یہ سب جھوٹ' سراسر ڈرامہ ہے' اُٹھیے بابا! ایسا بھی کوئی مذاق کرتا ہے"۔ باطشہ بے ربط جملے بول رہی تھی۔

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے بیٹا! تمہارا بابا اب کبھی نہیں چل سکے گا"۔ باطشہ نے باپ کے تر چہرے کو بے یقینی سے دیکھا تھا اور نفی میں سر ہلاتی منہ پر سختی سے ہاتھ جمائے سسکیاں روکنے کی کوشش کرتی باہر کی جانب دوڑی تھی اور دروازے پر ہی تیورا کر گر پڑی تھی۔

"بشہ......!" جہاں وہ دونوں دوڑی تھیں زمان صاحب بے بسی سے ہاتھ بڑھا رہ گئے تھے اور کب سے خاموش کھڑے مسٹر دِج نے ان دونوں کو بے ہوش پڑی باطشہ کو اٹھانے میں ناکام دیکھ کر اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا تھا' اور اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا تھا اور خود جا کر میڈیسن لا کر دی تھی' پھر بوجھل دل و دماغ کے ساتھ گھر آ گئے تھے' جب سے کمرے میں اندھیرا کیے نیم دراز سگریٹ کے مرغولے چھوڑ رہے تھے۔

تری آنکھیں
بڑی گہری......
بہت ہی خوبصورت ہیں
اجازت ہو تو میں کچھ دیر
ان میں جھانک کر دیکھوں
کہ مجھ کو چاند کے مانند
جھیلوں میں اترنا
لطف دیتا ہے

............☆☆☆............

زمان صاحب کے گھرانے پر غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا مگر وقت کا پہیہ خوشی و غمی میں یکساں رفتار سے چلتا رہتا ہے اور غم کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو صبر کرنا آ ہی جاتا ہے' باسطہ نے اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے کوچنگ سینٹر میں جاب کر لی تھی اور باطشہ گھر پر ہی بچوں کو ٹیوشن دینے لگی تھی' فرمان صاحب اس کا مکمل ساتھ دیتے تھے۔

"بیگم! یہ چائے کہاں رہ گئی؟ باسی اخبار بھی دو دفعہ پڑھ چکا ہوں"۔ اتوار کی وجہ سے سب ہی لوگ گھر میں تھے۔ باسطہ اُن سے کرنٹ افیئر پر بات کر رہی تھی' باطشہ بور ہو کر اٹھ گئی تھی اور جب لوٹی تو سب کے لیے چائے اور اپنے لیے آم لے کر آئی تھی۔

"امو جان! دیکھیں اس بشہ کی بچی کو دو دن پہلے ہی اس نے میرے نئے سوٹ پر کافی گرا دی تھی اور آج اس نے میرا دوپٹہ اوڑھا ہوا ہے اور یقیناً یہ اس پر آم ضرور گرائے گی' آپ اسے کہیں پہلے یہ اپنا دوپٹہ اوڑھ کر آئے اور پھر آم کھانے بیٹھے"۔ باسطہ نے پہلے اسے خود ہی روکنا چاہا تھا مگر جب وہ مزے سے آم چوسنے لگی تو اس نے ماں سے مدد طلب کی تھی۔

"امو جان! ایسا کوئی کمخواب کا آنچل نہیں ہے اس کا اور میں نے تو یہی سوچ کر الماری سے نکالا تھا سوٹ خراب ہو گیا ہے دوپٹہ پڑے پڑے خراب ہو جائے گا ورنہ میرے پاس اپنے سوٹ کی میچنگ کا اس سے بھی خوبصورت آنچل ہے"۔ باطشہ نے اپنے گندے ہاتھوں سے پلو لہرایا تھا اور باسطہ کی برداشت جواب دے گئی تھی کیونکہ اُسے اپنا یہ سیاہ

دوپٹہ بہت پسند تھا اور اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے آم لے کر پلیٹ میں رکھا تھا اور اُسے وہاں سے اٹھ جانے کو کہا تھا' زمان صاحب کے اشارہ کرنے پر وہ منہ بناتی اٹھی تھی تبھی اُسے شرارت سوجھی تھی' اس نے جھک کر پلیٹ میں رکھے ہوئے آموں میں سے ایک پانکھ اٹھا کر اپنے ہاتھ مزید گندے کیے تھے اور ہاتھ باسطہ کے کپڑوں سے صاف کرنا چاہے تھے اور اب صورتحال یہ تھی کہ آگے آگے باسطہ تھی اور اس کے پیچھے پیچھے ہاتھ جمانے کے انداز میں اوپر کیے باطشہ تھی' زمان صاحب اور آسیہ بیگم بہت دنوں کے بعد اُن دونوں کو شرارت کرتے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"بشہ! شرافت سے ہاتھ پیچھے کر لو ورنہ میرے ہاتھوں پٹ جاؤ گی"۔ باسطہ نے اُسے باز رکھنا چاہا تھا' اس کے انداز پر وہ جانے کے لیے مڑی تھی باسطہ کی جان میں جان آ گئی تھی اور وہ چلتی ہوئی زمان صاحب کے پاس بیٹھ گئی تھی' باطشہ کچھ دور جا کر اچانک مڑی تھی اور اس نے اپنی دانست میں صحیح حملہ کیا تھا مگر اس کے دونوں ہاتھ مسٹر دِج کے وائٹ بے داغ کوٹ پر مٹے مٹے سے چھپ گئے تھے اور وہ باسطہ کی جگہ انہیں دیکھ کر سٹپٹا گئی تھی' مسٹر دِج نے ایک نگاہ اپنے داغدار کوٹ پر ڈالنے کے بعد اُس پر نگاہ کی تھی' اپنی حرکت پر شرمندگی سے انگلیاں چٹخاتی بلیک قمیص شلوار میں بے پروائی سے ایک کاندھے پر جھولتا آنچل اور دوسرے پر لہراتی سیاہ ناگن سی چوٹی اور اس کی نیلی آنکھیں پتلی سی کاجل کی دھار سے سجیں پل بھر کو مسٹر دِج کو اپنا آپ بھلا گئی تھیں' مسٹر دِج کے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر ایک ناگواری کی لہر اس کے سارے وجود میں سرایت کر گئی' اس نے جھکی پلکیں اٹھائی تھیں اور ان کی لہو رنگ آنکھیں دیکھ کر وہ فوراً ہی پلکوں کی جھالر گرا چکی تھی اور سوری کہے بناء عجیب خوف سے جانے کو پلٹی تھی تبھی سامنے ہی آسیہ بیگم کھڑی اُسے گھور رہی تھیں' وہ خائف ہوتی اندر چلی گئی تھی' مسز زمان چائے بنا رہی تھیں۔ مسٹر دِج زمان صاحب کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے' باسطہ پودوں کو پانی دے رہی تھی اور باطشہ چائے دے کر لان میں آ گئی تھی۔

"اوہو...... تمہیں ہی ہینڈسم لگتے ہوں گے' آنکھیں دیکھی ہیں کبھی کتنی پراسرار سی لگتی ہیں' مجھے تو نظر باز لگتے ہیں' گھور گھور کر ایسے دیکھتے ہیں جیسے زندہ ہی نگل جائیں گے' مجھے تو لگتا ہے باسطہ! یہ ڈرنک کثرت سے کرتے ہیں"۔ باطشہ ناگواری سے کہتی یکدم رازدارانہ انداز میں کہنے لگی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو' جو چاہے بول دیتی ہو' مجھے تو کبھی انہیں دیکھ کر خوف محسوس نہیں ہوا اور وہ تو کتنے اچھے ہیں' اس حادثے کے بعد ہماری کتنی مدد کی ہے' ان کے آنے سے بابا جانی بھی خوش ہو جاتے ہیں' وہ اچھے انسان نہ ہوتے تو بابا جانی' اُن کے ایک ورکر ہی تو تھے وہ خیال بھی نہ کرتے"۔ باسطہ دل سے اُن کے جذبے کی قدر کرتی تھی' باطشہ تو یہاں تھی نہیں اُسی نے مسٹر دِج کو بھاگ دوڑ کرتے دیکھا تھا۔

"باسطہ! تم تو بے وقوف ہو' فوراً ہی کسی سے بھی متاثر ہو جاتی ہو' یہ جو بگڑے امیر زادے ہوتے ہیں یہ اتنے آرام سے نہیں کھلتے' پہلے ہمدردیاں جیتتے ہیں اور ان کا اعلیٰ روپ بھی بعد میں کھل کر سامنے آتا ہے' یہ اپنا مفاد ہو تب ہی کسی کو گھاس ڈالتے ہیں' مجھے تو یہ مسٹر دِج بالکل بھی اچھے نہیں لگتے' بابا جانی کا خیال نہ ہو تو میں انہیں گھر میں گھسنے بھی نہ دوں اور یہ ہیں کہ ہر اتوار کو ہمارے گھر کو آستانہ سمجھ کر حاضری لگانے آ جاتے ہیں"۔ باطشہ کے لہجے میں ناگواری سی تھی۔

............☆☆☆............

"میں ہوش میں تھا تو اس پر مر گیا کیسے؟
یہ زہر میرے لہو میں اُتر گیا کیسے؟"

کمرے میں ہلکے سروں میں مہدی حسن کی آواز گونج رہی تھی' مسٹر دِج آنکھیں موندے لیٹے تھے۔

"آنکھیں دیکھی ہیں پراسرار سی...... نظر باز...... ڈرنکر...... جیسے زندہ نگل جائیں گے...... بگڑے امیر

زادے...... اپنا مفاد عزیز...... میں تو گھسنے ہی نہ دوں...... مجھے تو وہ بالکل اچھے نہیں لگتے......" ایک ایک کر کے باطشہ کی کہی باتیں اُن کے کانوں میں گونجنے لگیں تو وہ بے چینی و غصے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"زندگی کے سفر میں آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے ہادج ربانی کی کردار کشی کی ہو' اُس پر انگلی اٹھائی ہو اور وہ خاموشی سے اپنا تماشا بنتے دیکھ کر بھی لوٹ آیا ہو"۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے ناگواری سے سوچا تھا۔ مسٹر دِج لایعنی سوچوں میں گھرے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

"ہزاروں لڑکیاں دیوارِ دل پر دستک دیتیں اپنی اہمیت کا سراغ نہ پا کر قیام نہ کر سکی تھیں اور جس لڑکی کی معصومیت نے دل کے بند دروازے پر بناء دستک دیئے ہی دل کے سب سے اونچے مسند پر اپنی اہمیت کی بساط بچھائی تھی آج اُس نے پل بھر میں مجھے عرش سے فرش پر لا پٹخا' جس ہادج ربانی کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پہلے لوگ ہزار بار سوچتے ہیں اور اُس لڑکی نے میرے بارے میں اتنے مفروضے قائم کر لیے' میری عزت نفس کو اپنی زبان کے زہریلے خنجر تلے کچل ڈالا اور میں زمان صاحب کا خیال کرتے ہوئے چپ چاپ لوٹ آیا ورنہ ایک بار تو اُس سے پوچھتا کہ کیا سوچ کر اُس نے وہ سب کہا ہے"۔ مسٹر دِج نے کھولتے دماغ سے سوچا تھا' پتہ نہیں انہیں وہ جھوٹے الزامات زیادہ بُرے لگے تھے یا اس انسان کا لہجہ جس سے وہ محبت کرنے لگے تھے' وہ خود ہی اپنی بدلتی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھے مگر انہوں نے اب کبھی وہاں نہ جانے کا تہیہ کر لیا تھا' مگر ایک دکھ کی لہر سارے وجود میں سرائیت کر گئی تھی اور انہوں نے آنکھیں موند لیں تھیں۔

............☆☆☆............

"بھتیجے...... اُس لنگڑے زمان کے گھر بڑا بھاگ کر جا رہا ہے' خیریت تو ہے کہیں اس کی بیٹی تو......" باذل ربانی نے جان کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"سوچ سمجھ کر بولیں باذل ربانی! ایسا نہ ہو برسوں کا قائم بھرم کرچی کرچی ہو جائے"۔ غصے سے کہا۔

"یار بھتیجے! تو تو خفا ہو گیا' میں تو تیری محبت میں پوچھ رہا تھا' آخر کو تیرا رشتہ کہیں بھی میں ہی تو لے کر جاؤں گا' چاچا بھی تو باپ کے برابر ہوتا ہے"۔ باذل ربانی معنی خیزی سے ہنسے تھے۔

"یہاں آنے کا مقصد بتائیں' بناء مقصد تو آپ کہیں بھی نہیں جاتے"۔ مسٹر دِج اشتعال کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہہ رہے تھے اور باذل ربانی نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

"کتنا صحیح پہچاننے لگا ہے تو اپنے چاچا کو' دیکھ بھتیجے! بہت انتظار کر لیا ہے میں نے' تو اب شرافت سے بھائی صاحب کی کچھ پراپرٹی میرے نام کر دے ورنہ مجھے اوچھے ہتھکنڈے بھی آتے ہیں"۔ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اتنی بڑی بات آسانی سے کہی تھی۔

"میں آپ کے تمام اوچھے ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف ہوں' مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں ہے' سات سال پہلے ہوئے اور ایک سال قبل کے ایکسیڈنٹ میں کون ملوث تھا میں اچھی طرح سے جانتا ہوں مگر بابا جان سے کیا عہد نہیں توڑنا چاہتا اس لیے باذل ربانی! اپنی ہر کارروائی کو آج اسی پل ترک کر دیں ورنہ بابا سے کیا عہد ٹوٹ بھی سکتا ہے' اور اس پراپرٹی پر آپ کا کوئی حق سرے سے بنتا ہی نہیں ہے' یہ بابا جانی کی محنت کا ثمر ہے اور انہی کے حکم پر میں نے آپ کو ان کا قتل معاف کیا اور ڈیفنس والا بنگلہ بھی آپ کے نام کر دیا' اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے مت رکھیں اور جہاں تک غانیہ سے میری شادی کی بات ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا' میں نے غانیہ کو ہمیشہ وجی کی طرح سمجھا ہے اور آپ محض دولت کی خاطر اس کی خوشیاں مت چھینیں' وہ کل آئی تھی میرے پاس' وہ اپنے کسی کلاس فیلو سے محبت کرتی

ہے جسے غربت کی وجہ سے آپ نے ٹھکرا دیا ہے' زندگی دولت نہیں رشتوں کے سہارے گزرتی ہے"۔ مسٹر دِج سنجیدگی سے کہہ رہے تھے اور باذل ربانی بہت بے یقینی سے اُسے دیکھ رہے تھے' وہ سب جانتا ہے اس کی انہیں اُمید نہیں تھی مگر مسٹر دِج کی باتوں نے اسے اور شیر بنا دیا تھا۔

"مجھے معلوم تھا آپ ایسے ہی بے یقین رہ جائیں گے مگر آپ ابھی یہ نہیں جانتے کہ بابا جانی بھی یہ جانتے تھے اور انہوں نے مرتے مرتے مجھے قسم دی تھی کہ میں آپ کو معاف کر دوں گا' کوئی کارروائی نہیں کروں گا"۔ باذل ربانی کے جانے کے بعد مسٹر دِج نے باپ کی تصویر پر نگاہ جمائے سوچا تھا۔

............☆☆☆............

"باذل ربانی! زمان صاحب کی بیٹی کہاں ہے؟" مسٹر دِج نے غصے سے پرسکون انداز میں چائے پیتے باذل سے پوچھا تھا' جس وقت زمان صاحب نے مسٹر دِج کو فون کیا تھا وہ میٹنگ میں تھے مگر زمان صاحب کی پریشانی محسوس کر کے وہ پہلی فرصت میں اُن کے گھر پہنچے تھے اور جو خبر انہیں سننے کو ملی تھی وہ سن کر مسٹر دِج یقیناً پریشان ہو گئے تھے وہ باطشہ کو سینٹر (آج اس کا لاسٹ پیپر تھا) کے آس پاس ڈھونڈنے کے بجائے انہوں نے باذل ربانی سے کانٹیکٹ کیا تھا اس سے بات کر کے ان کا شک درست نکلا تھا اور ایک نفرت کی تیز لہر اُن کے وجود میں دوڑ گئی تھی۔

"دھیرج...... بھتیجے دھیرج...... وہ تیری بلبل میرے ہی قبضے میں ہے اور مان گیا بھتیجے' تو ایسے ہی تو اُس زمان کے گھر کے چکر نہیں لگا تا تھا' وہ ہے ہی توبہ شکن حسن کی مالک کہ بڑے بڑے عابد و زاہد بہک جائیں اور پھر تو بھی تو انسان ہے کوئی فرشتہ تو نہیں"۔ معنی خیزی سے کہا گیا تھا۔

"باذل......! ایک اور لفظ مزید کہا تو میں تیرا خون کر دوں گا"۔ غصے سے کنپٹیاں تک سلگ اٹھی تھیں۔

"بھتیجے! جوش سے نہیں ہوش سے کام لے' ابھی تیری جان میرے قبضے میں ہے"۔ باذل ربانی نے خونخوار لہجے میں کہتے ہوئے ایک اسٹامپ پیپر مسٹر دِج کے سرخ چہرے کے سامنے لہرایا تھا۔

"دیٹ از ناٹ پوسیبل...... باذل ربانی! اس کمپنی کے 50 پرسنٹ شیئرز کا مالک وہاج ہے اور ایسے میں' پوری کمپنی میں ہرگز بھی تمہارے نام نہیں کروں گا"۔ مسٹر دِج نے کاغذ کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں اچھال دیئے تھے۔

"اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے بھتیجے! ایسا ہے تو صرف اپنے شیئرز میرے نام کر دے اور ایسا نہیں کرتا تو سمجھ وہ لڑکی تو گئی کام سے جس کی خاطر تو دوڑا ہوا آیا ہے"۔ باذل ربانی نے مسکراتے ہوئے دوسرا پیپر نکالا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ مسٹر دِج کبھی بھی وہاج کا حصہ کسی کے بھی نام نہیں کریں گے۔ مسٹر دِج نے سوچے سمجھے بغیر اُن پیپرز پر سائن کر دیئے تھے کیونکہ اس وقت انہیں باطشہ کو بحفاظت زمان صاحب کے گھر پہنچانا تھا۔

............☆☆☆............

باطشہ کو بی اماں خوبصورت روم میں چھوڑ گئیں تھیں' اُس نے دروازے پر ہی کھڑے کھڑے کمرے پر نگاہ دوڑائی تھی' رائل بلیو رنگ سے سجے در و دیوار' وائٹ بھاری نیٹ کے دیدہ زیب پردے' کمرے کے وسط میں رکھا بیڈ جس پر وائٹ بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی جس پر بلیو رنگ کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے' بیڈ کی اوپری دیوار پر مسٹر دِج کی انلارج تصویر لگی تھی' کمرے کے آخر میں باتھ روم اور اس کے برابر میں اسٹڈی بنی ہوئی تھی اور اسی کی لیفٹ سائیڈ پر الماری رکھی تھی' اُسے یونہی جائزہ لیتے کافی وقت گزر گیا وہ چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی جس پر پرفیومز' جیل اور باڈی اسپرے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے' اس نے آئینے میں اپنا عروسی جوڑے میں مکمل سولہ سنگھار کیے جھلملاتا حسین روپ دیکھا تھا' اس نے اتنی تیاری زندگی میں پہلی مرتبہ کی تھی اُسے گھبراہٹ ہونے لگی جبھی

فکر میں ڈوبی مردانہ آواز اُس کے کانوں میں پڑی تو چوڑیاں اُتارتے ہوئے اس کے ہاتھ تھم سے گئے۔

"غانیہ! پلیز...... پریشان نہ ہو' اُسے کچھ نہیں ہوا وہ بالکل ٹھیک ہے' میرے ہوتے ہوئے جان تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' تمہاری مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں ہونے دوں گا' تم اپنا خیال رکھو اور شاباش جلدی سے سو جاؤ رات کافی ہوگئی ہے' میں تم سے صبح ملوں گا"۔ باذل ربانی نے احمر (غانیہ کا فرینڈ) کا ایکسیڈنٹ کروادیا تھا اور غانیہ کو پتہ چلا تو اس نے سب سے پہلے مسٹر دِج سے کانٹیکٹ کیا تھا جبکہ مسٹر دِج پہلے ہی اس کا مکمل علاج کروا چکے تھے' مسٹر دِج نے سیل آف کیا تھا جبھی ایک چھناکے کی آواز پر وہ فوراً اپنے روم کا ڈور کھول کر اندر داخل ہوئے تھے اور ان کی نگاہ نے بیڈ کے کونے پر بیٹھی اپنے پاؤں پر جھکی باطشہ تک کا سفر چند ہی لمحوں میں طے کیا تھا اور اس تک آتے ہوئے ان کی نگاہ اپنی ٹوٹی ہوئی تصویر پر پڑی تھی جو آج شام تک بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی' مسٹر دِج کارپٹ پر بالکل اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے تھے اور جیسے ہی شیشہ نکالنا چاہا باطشہ نے اُن کے ہاتھ بڑی بے دردی سے جھٹک دیئے' خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ اب تک خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی مگر ایک دم ایک جھٹکے سے اس نے شیشہ نکالا تھا اور درد کے مارے کراہ کر رہ گئی تھی اور مسٹر دِج جو اس کی اس حرکت پر ہی ششدر تھے اُنہیں غصے نے آلیا۔

"اس طرح نکالتے ہیں' کتنی تیزی سے خون بہنے لگا ہے"۔ بہتے لہو نے اشتعال دبانے پر مجبور کردیا اور وہ دراز سے فرسٹ ایڈ بکس نکال لائے مگر جیسے ہی مسٹر دِج نے اس کا مہندی سے سجا موی پیر تھاما تو وہ ایک بار پھر ان کے ہاتھ جھٹکتی جانے کو کھڑی ہونے لگی تھی' مسٹر دِج نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کاندھے سے تھام کر اُسے بٹھایا تھا اور بینڈیج کرنے لگے تھے۔

"کوئی بات ہے...... آپ! کچھ خفا ہیں تو بیٹھ کر بات کی جاسکتی ہے"۔

"کسی سے ناراض ہونے کے لیے کسی تعلق کی ضرورت ہوتی ہے اور جو تعلق آپ نے زبردستی قائم کیا ہے اور حق جتانے لگے ہیں تو یہ خود آپ کی مرضی ہے جبکہ میں نہیں سمجھتی کہ آپ اس لائق ہیں کہ آپ سے تعلق جوڑا جائے' آپ نے اپنے گناہوں پر جو اچھائی کی دبیز چادر تانی ہوئی ہے اُسے سرکا کر آپ کا گھناؤنا چہرہ بے نقاب نہ کیا تو میرا بھی نام "باطشہ زمان" نہیں"۔ وہ حقارت اور نفرت سے کہتی اُٹھی تھی اور ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ہو کر جیولری اُتارنے لگی تھی جبکہ مسٹر دِج ششدر سے رہ گئے تھے اور اشتعال نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"آپ کس گھناؤنے چہرے کی بات کررہی ہیں؟ ایسے کون سے نقاب میں نے اپنے چہرے کے گرد تانے ہوئے ہیں جسے بے نقاب کرنے کی خواہش میں میرے ہی نام کی ردا اوڑھے چلی آئی ہیں' کیا ہیں وہ راز جنہیں کھولنے کی آرزو میں آپ نے بابل کی دہلیز پار کرکے میرے گھر تک کا سفر نفرتوں کے سائے تلے طے کیا ہے' کچھ مجھے بھی تو میرے جرائم و گناہ کی داستان سننے کو ملے' میری ہی داستان سے میں ہی ناواقف ہوں' دنیا کے سامنے تو پردے بعد میں ہٹایئے گا پہلے میرے سامنے تو یہ پردے کھسک جانے دیجیے"۔ اتنے تیز لہجے پر باطشہ کا ننھا سا دل خوف سے کانپ گیا' گلابی رنگت زردی مائل ہوگئی تھی اور یکدم ہی کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی اور کچھ لمحوں بعد خود کو کمپوز کرکے قدرے درشتی سے کہنے لگی تھی۔

"آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا' آپ تک کا سفر میں نے نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے طے کیا ہے کیونکہ میں آپ جیسے دوغلے انسان سے نفرت کرتی ہوں جو کرتا پیار اور احترام کی باتیں ہیں مگر ان کی الف ب تک سے ناواقف ہے' اور کیا مجھے اس انسان کا احترام کرنا چاہیے جس نے میرے باپ کو محتاج بنایا' میرے باپ کے اعتماد کا خون کیا' میں کبھی

اپنی ماں کے وہ آنسو نہیں بھول سکتی ہوں جو بیٹی کے اغوا پر اُس نے بہائے تھے اور اپنی بہن کے درد کو نظر انداز نہیں کر سکتی ہوں صرف آپ کے ایک اقدام کی وجہ سے اس کا رشتہ ٹوٹ گیا"۔ باطشہ کے لہجے میں شعلوں کی سی آنچ تھی۔

"میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ کس اعتماد کے ریزہ ریزہ ہونے کی بات کررہی ہیں"۔ مسٹر دِج اس شعلہ جوالہ بنی لڑکی کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔

"جب گناہ کرنے کی قوت ہے تو اسے ماننے کی بھی خطا کرلیا کریں اور آپ اتنے نادان تو ہیں نہیں کہ میری باتیں سمجھ ہی نہ آرہی ہوں"۔ اُس نے تلخی سے کہتے ہوئے اُن کا حوصلہ آزمایا تھا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے جو کہنا ہے صاف سیدھے طریقے سے کہہ ڈالیں"۔ انہوں نے درشتی سے کہا تھا اور اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"صاف سیدھی بات' ویسے پہلے آپ کے کون سے جرم کی داستان بیان کروں' اس دوپہر کی جب آپ نے بابا کا ایکسیڈنٹ کروایا' ثبوت کے طور پر اُس ٹرک ڈرائیور سے بھی آپ کا سامنا کرواسکتی ہوں یا میں اُس شام کا ذکر کروں جب ایک غریب لڑکی کی عصمت لوٹتے آپ کو ذرا بھی خدا کا خوف......"

"باطشہ!" وہ دھاڑے تھے۔

"آپ کے چلانے سے اصلیت مٹ نہیں سکتی' ثبوت چاہیئے آپ کو اپنے گناہ کا تو میں دیتی ہوں"۔ اُس نے بیڈ پر رکھے ہینڈ بیگ میں سے کچھ تصاویر نکال کر ان کے منہ پر ماری تھیں۔

"شاید...... کچھ یاد آ ہی گیا ہو اور اُس لڑکی کو بھول گئے جو دو سالوں سے آپ کی منظورِ نظر ہے"۔ اس نے چند اخبار اُن کی آنکھوں کے سامنے لہرائے تھے۔

"یہ سب جھوٹ......"

"آپ تو یہی کہیں گے مگر کیا ان تصویروں کو جھٹلا سکتے ہیں' گیارہ مئی کی وہ دوپہر جس میں آپ نے ایک لڑکی کو اغوا کیا اور اس کے باپ پر ہمدردیوں کے خزانے لٹاتے ہوئے اُسے اس کے گھر پہنچا دیا اپنی نفسانی خواہشات کو پورا تو کر نہیں سکے تھے اس لیے محض ایک جسم کی خاطر...... اپنی ہوس مٹانے کے لیے اُسے اپنی بیوی......

تڑاخ......!"

"میں خاموش تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم جو چاہو گی کہو گی' جیسے چاہو گی میری تذلیل کرو گی' میرے کردار پر انگلی اٹھاؤ گی"۔ انہوں نے لگاتار 3 طمانچے اس کے مارے تھے اور کب سے قائم ضبط جواب دے گیا تھا۔

"جی میں تو آتا ہے باطشہ زمان! کہ تمہارا ہر الزام سچ کرکے دکھا دوں مگر نہیں باطشہ زمان نہیں...... میرا خاندانی لہو...... میری ماں کی پرورش اور اس کے دودھ کی تاثیر مجھے اس گھٹیا فعل سے روکے ہوئے ہے ورنہ...... آج تمہیں اپنا ہر گھناؤنا روپ بہت اچھے سے دکھاتا' بتاتا کہ مجھے تمہارے جسم کی کتنی چاہ ہے' یاد رکھنا باطشہ زمان کہ میں جیسا ہوں سب کے سامنے ہوں اور محض ایک پل میں تمہارے ان ثبوتوں کو جھوٹا ثابت کرسکتا ہوں کیونکہ تمہارے ہر الزام کا میرے پاس جواب موجود ہے مگر جب میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو صفائی بھی نہیں دوں گا' تمہیں جو سوچنا ہے سوچتی رہو اور اُس دن کا انتظار تو میں تم سے بھی زیادہ شدت سے کروں گا جب تم میرا گھناؤنا چہرہ بے نقاب کرو گی"۔ مسٹر دِج درشتی سے کہتے اسٹڈی میں چلے گئے تھے اور وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

............☆☆☆............

"بٹیا! کھانا تیار ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے' جب تک آپ یہ چائے ہادِج بیٹے کے لیے لے جاؤ"۔ بی اماں نے

باطشہ سے کہا تھا۔

”آپ خود ہی لے جائیں‘ اس وقت بہت اچھا پروگرام آ رہا ہے“۔ بی اماں کو گڑبڑ تو اول روز سے ہی لگ رہی تھی مگر اب وہ مکمل طور پر کھٹک گئی تھیں۔

”ہادِج بیٹے نے مجھے کبھی اس گھر کی نوکرانی نہیں سمجھا‘ ہمیشہ ایک ماں کی طرح میرا احترام کیا اور اس رشتے سے آپ کو سمجھانا میرا فرض بنتا ہے کیونکہ میں نے نوٹ کیا ہے جب بھی ہادِج بیٹے گھر آتے ہیں آپ نیچے آ کر ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتی ہیں جبکہ اُن کی خوشی ناخوشی کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے‘ اس ایک ماہ میں ایک بار بھی آپ اُن کے ساتھ کہیں نہیں گئیں اور ہادِج بیٹے گھر دیر سے لوٹنے لگے ہیں اور مجھے تو لگتا ہے بٹیا! نہ آپ اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں اور نہ ہی ہادِج بیٹے آپ کو آپ کے حقوق دیتے ہیں۔ بٹیا! کوئی پریشانی ہے تو آپ ہم سے بلا جھجک کہہ سکتی ہیں“۔ بی اماں کے خلوص سے کہنے پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی‘ سمجھ ہی نہیں آیا کہ آخر کیا کہے۔

”بی اماں! آپ جیسا سوچ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے‘ آج کل بزنس کرائسس میں چل رہا ہے اس لیے میں گھر کو ٹائم نہیں دے پا رہا اور اسی لیے بیگم صاحبہ ہم سے خفا ہو گئیں ہیں اور ہماری شکل دیکھتے ہی ان کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے“۔ مسٹر دِج مسکراتے ہوئے صوفے پر باطشہ کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے۔

”بیٹا! اللہ تمہاری مدد کرے‘ بہت جلد تم ہر پریشانی سے باہر آ جاؤ (آمین) مگر بیٹا بیوی کو ناراض رکھنا بھی تو اچھا نہیں ہے‘ یہ صرف آپ کی خاطر اپنے رشتے چھوڑ کر آئی ہیں‘ آپ ان کا خیال نہیں رکھو گے تو پھر کون رکھے گا؟“ بی اماں نے اُسے چائے بنانے کا اشارہ کیا تھا اور وہ تو مسٹر دِج کے اتنے نزدیک بیٹھنے پر ہی گھبراہٹ کا شکار تھی‘ کپکپاتے ہاتھوں سے چائے بنا کر انہیں دی تھی تبھی اسی وقت تک سک سے تیار وہاج لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

”بھیا جانی! میں سنی کی برتھ ڈے پارٹی میں جا رہا ہوں“۔ مسٹر دِج کے پوچھنے پر اس نے عجلت میں بتایا تھا۔

”رات کے آٹھ بجے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے“۔ خالی کپ باطشہ کو دیتے ہوئے کہا تھا۔

”جانے دیجیے ناں بھیا جانی! ایک دن کی تو بات ہے اور کل آپ نے خود ہی تو مجھے اجازت دی تھی‘ بھابی! آپ ہی میری کچھ مدد کر دیں“۔ اُن کے مسلسل انکار پر وہاج نے خاموشی سے بیٹھی باطشہ کی ہیلپ لینی چاہی تھی اور وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

”آپ تو ایسے گھبرا گئیں جیسے میں نے کسی کے قتل کی سازش میں آپ کو ملانے کا عندیہ دیا ہو“۔ وہاج مسکرا رہا تھا جبکہ وہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

”آپ پلیز...... وہاج کو جانے کی اجازت دے دیں“۔ وہ مرے مرے انداز میں بولی تھی اور اس کے نرم گھبرائے لہجے پر مسٹر دِج نے ایک نظر اُس کو دیکھا تھا۔ ہمیشہ نفرت کا اظہار کرتی اور نظریں چرا کر انگلیاں مروڑتی گھبرائی ہوئی باطشہ میں بہت فرق تھا۔

”او...... بھابی! یو آر گریٹ!“ وہاج شوخی سے کہتا باہر نکل گیا تھا اور اس کے جاتے ہی باطشہ فوراً اٹھی تھی جبکہ مسٹر دِج آنکھیں موند کر پیر پھیلا چکے تھے‘ باطشہ کے آنچل کا کونا اُن کے نیچے دوبارہ جانے کی وجہ سے اُسے رک جانا پڑا تھا‘ اس نے نکالنا چاہا تو نکلا نہیں اور وہ اُنہیں مخاطب کرنا نہیں چاہتی تھی اسی لیے جھنجھلاتے ہوئے دوپٹہ وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی اور اُسی وقت بی اماں نے کھانا لگ جانے کی نوید سنائی اور وہ ہڑبڑا کر جیسے ہی واپس مڑی تو دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا‘ بلیک فٹنگ کی ہاف سلیوز شرٹ میں قیامت خیز حسن و نوخیز سراپا اُن کی آنکھوں کے سامنے تھا‘ وہ اپنے لب بے دردی سے کچلتی گھبراہٹ کے مارے جلدی سے صوفے تک آئی تھی۔

”وہ...... وہ...... میرا...... دُ دوپٹہ...... آ...... آپ کے...... نی...... نیچے......!“ گلابی لب لرزے تھے اور مومی

ہاتھ آنچل کھینچنے کو آگے بڑھے تھے‘ مسٹر دِج نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور اُن کے کھڑا ہو جانے کے باعث دونوں کا درمیانی فاصلہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا اور پلٹتی ہوئی باطشہ کا ہاتھ تھام کر مسٹر دِج نے تمام فاصلے سمیٹ دینا چاہے تھے‘ اس دن کے بعد آج پہلی مرتبہ انہوں نے اُسے دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بے خود سے ہو گئے تھے۔

”پپ...... پلیز......“ ہونٹ ہلے تھے اور نیلی جھیل سے گرتا آبشار انہیں جذبوں کی دنیا سے حال میں بے دردی سے پٹخ گیا تھا‘ اُن کی گرفت جیسے ہی کمزور پڑی اُس نے وہاں سے بھاگنے میں ایک پل نہیں لگایا تھا اور وہ گاڑی کی چابی اٹھاتے باہر نکل گئے تھے۔

............☆☆☆............

”زندگی کتنی کٹھن ہو گئی ہے‘ جس کو میں نے چاہا اُسے پا کر بھی نہیں پا سکا‘ جس لڑکی کی عزت‘ جس کا وقار مجھے بہت عزیز ہے وہ ہی کتنی بار میرے وقار کو اپنے زہریلے جملوں سے اپنے ہی قدموں تلے روند چکی ہے‘ میری غیرت کا جنازہ‘ میری اَنا کرچی کرچی کر چکی ہے‘ اُس پر ایک نگاہ بھی ڈالنا۔۔ اپنی توہین سمجھنا چاہیے مگر میری نظریں اُس پر اٹھتے ہی بے خودی میں اس کا طواف کرنے لگتی ہیں‘ اُسے چھو کر اُس کی خوشبو محسوس کرنے کو یہ دل مچلتا ہے اور ایسا میں نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے بہک کر نہیں کرتا ورنہ...... کیا اس دنیا میں وہ آخری عورت ہے؟ میں چاہوں تو کسی سے بھی شادی کر سکتا ہوں‘ وہ مجھے ایک ہوس پرست انسان سمجھتی ہے جبکہ میری نگاہ تو جب بھی اُس پر اٹھی اس میں عقیدت اور محبت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور جس انسان نے کبھی کسی غیر عورت کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا وہ اپنی محبت‘ اپنی ہی عزت کو گندی نگاہ سے کیونکر دیکھے گا‘ وہ جو ثبوت دکھا کر مجھے گرا ہوا انسان ثابت کرنا چاہتی ہے وہ سب جھوٹے ہیں مگر میں اس کی آنکھوں میں نفرت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کے کیسے اپنی بے گناہی ثابت کروں۔ اُسے کیسے سمجھاؤں کیسے بتاؤں کہ وہ اس دل میں بستی ہے اور دل میں بسنے والے لوگوں کا وقار اور خوشیوں کی سلامتی‘ اپنے وقار اور خوشیوں سے بڑھ کر عزیز ہوتی ہے اور جب دل میں دھڑکن بن کر دھڑکنے والا شخص بے رحم ہو جاتا ہے‘ زندگی کا سفر طویل سے طویل ہو جاتا ہے اور ایسی زیست کانٹوں کی راہ گزر ہوتی ہے اور میں ننگے پاؤں اپنے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں آنکھوں میں سموئے اس سفر پر گامزن ہوں اور جانے یہ برہنہ پا سفر کب تک میرا مقدر رہے؟“ مسٹر دِج ساحل کے کنارے بیٹھے شوریدہ لہروں پر نگاہ جمائے سوچ رہے تھے‘ ان کی سیاہ آنکھوں سے یاسیت ٹپک رہی تھی۔

............☆☆☆............

”مسٹر دِج! احمد کنسٹرکشن کی فائل سر باذل کے کیبن میں ہے اور 4 لاکھ کا چیک بھی سر باذل ہی نے کیش کروایا ہے“۔ جمال کے بتانے پر مسٹر دِج کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے‘ جہاں پہلے مسٹر دِج بیٹھتے تھے اب وہی کیبن باذل ربانی کا تھا اور باذل ربانی نے دھیرے دھیرے بگاڑ پیدا کرنا شروع کر دیا تھا‘ مسٹر دِج بظاہر خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے اور خفیہ طور پر ڈی ایس پی صاحب سے مل کر باذل ربانی کے ہر کالے دھندے کی بابت بتا دیا تھا اور پولیس نے بھی بڑی خاموشی سے باذل ربانی کے خلاف کارروائی شروع کر دی تھی۔

............☆☆☆............

”بی اماں! ایک کپ چائے بنا دیں‘ سر میں بہت درد ہے“۔ مسٹر دِج نے نیرم کھیلتے وہاج کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آواز لگائی تھی اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو گئے تھے‘ انہیں کچھ بخار سا فیل ہو رہا تھا اس لیے وہ آفس سے جلدی لوٹ آئے تھے‘ جب سے باذل ربانی نے بزنس جوائن کیا تھا انہیں بہت مشکلات کا سامنا تھا۔

”بی اماں تو مارکیٹ گئی ہوئی ہیں‘ بھابی! آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے‘ کل ہم یہیں سے اسٹارٹ کریں گے اور آپ بھیا کے لیے چائے بنائیں گی تو اپنے پیارے سے دیور کو بھی دے دیجیے گا‘ قسمت سے آپ کے ہاتھ کی چائے پینے کا موقع مل رہا ہے جسے میں گنوانا نہیں چاہوں گا“۔ وہاج کے انداز میں شرارت تھی جبکہ باطشہ کے منہ کے زاویے بگڑ سے گئے تھے‘ جو کچھ فاصلے پر بیٹھے مسٹر دِج سے ہرگز بھی چھپ نہیں سکے تھے‘ وہ کچھ کہے بناء اپنے کمرے میں آ گئے تھے چائے ملنے کی انہیں ہرگز بھی توقع نہیں تھی اس لیے ایک گلاس پانی میں ڈسپرین ڈال کر گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرتے وہ بغیر چینج کیے بیڈ پر دراز ہو گئے تھے‘ باطشہ ناچاہتے ہوئے بھی جس وقت چائے کی ٹرے تھامے روم میں داخل ہوئی‘ مسٹر دِج آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹے تھے‘ وہ اندازہ نہیں کر سکی تھی کہ وہ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں‘ اُس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ٹرے پٹخنے کے انداز میں رکھی تھی‘ کچھ چائے ٹرے میں چھلک گئی تھی‘ آواز پر انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تھیں‘ مسٹر دِج کی کچی نیند سے جاگی لہو رنگ آنکھیں پل بھر کو اُس پر ٹھہری تھیں اور وہ شرمندہ ہو گئی تھی اور آگے بڑھتے ہوئے اُس نے ٹرے واپس اٹھائی تھی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے دُکھتے ہوئے سر کو انگلیوں کی مدد سے دباؤ ڈالتے ہوئے مسٹر دِج کو جھجکتے ہوئے چائے دی تھی‘ مسٹر دِج خاموشی سے کپ اٹھا کر سپ لینے لگے تھے‘ وہ باہر کی جانب بڑھنے لگی تھی تب اُسے مسٹر دِج نے پکارا تھا۔

”باطشہ......“ وہ دروازے پر تھم گئی تھی مگر مڑی نہیں تھی۔

”بریف کیس میں سے اخبار نکال لیں‘ آپ کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا ہے“۔ دھیمے لہجے میں اطلاع پہنچائی تھی۔

”آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟“ وہ پر جوش انداز میں پلٹی تھی۔

”کسی سے مذاق کرنے کے لیے اپنائیت کا رشتہ جڑا ہونا ضروری ہوتا ہے‘ اور ہمارے درمیان جڑا مضبوط بندھن جتنا بے معنی و کمزور ہے یہ آپ مجھ سے بہتر سمجھتی ہیں“۔ انہوں نے تلخی سے کہا تھا اور شاور لینے کے ارادے سے واش روم میں چلے گئے تھے‘ باطشہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ نیوز پیپر نکالا تھا اور اپنا رول نمبر فرسٹ پوزیشن ہولڈر میں دیکھ کر مارے خوشی کے اس کی چیخ بلند ہو گئی تھی‘ شاور لے کر نکلتے مسٹر دِج نے کافی حیرت سے اس کے تمتمائے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا جبکہ اس کی نگاہ اُن پر نہیں پڑی تھی اور وہ خوشی خوشی اپنے گھر کا نمبر ملانے لگی تھی‘ انہوں نے اسٹینڈ پر سے ٹاول اٹھا کر بال خشک کرنا شروع کر دیے تھے اور اُن کے کانوں میں باطشہ کی کھنکتی ہوئی آواز گونجنے لگی تھی۔

”باسط......تم نے میرا رزلٹ دیکھا‘ کیا......تم تو بہت بدتمیز ہو‘ جب تمہیں پتہ چل گیا تو مجھے وِش تک نہیں کیا“۔ اس نے شکوہ کیا تھا۔

”او......میرے تو ذہن سے بالکل ہی نکل گیا تھا‘ فون بابا جانی کو دو‘ میں انہیں وِش تو کر دوں“۔ باسط نے اُسے یاد دلایا تھا کہ آج اُن کے پیرنٹس کی ویڈنگ اینی ورسری ہے اور وہ یہی سوچ رہی تھی کہ باطشہ آج گھر پر آئے گی‘ اُس نے اس لیے ایک چھوٹی سی سرپرائز پارٹی ارینج کر لی تھی تا کہ دونوں خوشیوں کو انجوائے کیا جا سکے۔

”بابا جانی! کیسے ہیں آپ؟ جی میں ٹھیک ہوں‘ آپ کو اور امو جان کو شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو‘ اونہوں...... ہیں بابا جانی وہ...... میں پوچھوں گی‘ اگر وہ آئے تو ہم ضرور آئیں گے کیونکہ......اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘ جی......جی......ٹھیک ہے‘ آئی لو یو بابا جانی! اللہ حافظ“۔ باطشہ زمان صاحب سے بات کر کے اُداس ہو گئی تھی‘ وہ اُڑ کر اپنے باپ تک پہنچ جانا چاہتی تھی مگر بے بسی سے نم پلکوں سے فون کریڈل پر ڈال دیا تھا کیونکہ اُن کے درمیان وقت ضرورت چند ضروری سوال جواب پر مبنی گفتگو ہی ہوا کرتی تھی اور جب بھی وہ اپنے گھر گئی تھی مسٹر دِج خود ہی لے گئے تھے‘ اس نے کبھی چلنے کو نہیں کہا تھا‘ اس لیے اس وقت دل ناچاہتے ہوئے بھی انکار کر دیا تھا۔ باطشہ آنسو صاف

کرتے ہوئے پلٹی تھی اب تک وہ اپنے ہی جھونک میں انہیں دیکھ نہیں سکی تھی‘ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے بال بناتے مسٹر دِج کو دیکھ کر وہ کچھ کنفیوژ ہو گئی تھی‘ آج وہ مسٹر دِج کو قدم قدم پر حیران کر رہی تھی‘ انہوں نے اس کے خجل ہوتے گلابی چہرے کو بس ایک پل دیکھا تھا اور اس کی نم ساحر نیلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

”میں نے کوئی اتنی مشکل بات تو نہیں کی جو آپ اتنا حیران ہو رہی ہیں‘ آپ کو اتنی بڑی خوشی زمان صاحب کو فون پر نہیں دینا چاہیے تھی‘ میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں‘ آپ کو زمان صاحب کے گھر چھوڑ دوں گا“۔ وہ ہمیشہ کی طرح نرم و سادہ لہجے میں بولے تھے۔

”آپ کے......تو سر میں درد......“ اُس نے کہنا چاہا تھا مگر انہیں مسکراتے دیکھ کر چپ کر گئی تھی جبکہ وہ ہلکے سے بولے تھے۔

”وہ مرے حال سے جب اتنے بے خبر ٹھہرے
تو پھر یہ درد کے رشتے ہی معتبر ٹھہرے
ہمیں تھا تم سے تعلق سو وہ تو اب بھی ہے
اگرچہ راستے اپنے اِدھر اُدھر ٹھہرے“

”بعض درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں ظاہر نہیں کیا جاتا اور جو دُکھ ظاہر ہوتے ہیں ضروری نہیں اُن کا مداوا بھی کیا جا سکے“۔ وہ روم سے باہر نکل گئے تھے‘ باطشہ وارڈ روب میں سے کپڑے نکالنے لگی تھی‘ زیادہ تر کپڑے بغیر پہنے تھے مگر اُسے ایک سے بڑھ کر ایک حسین جوڑا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا‘ ایک ایک کر کے جانے کتنے ہی کپڑے وہ بیڈ پر ڈھیر کر چکی تھی۔

”ایس پی صاحب! میں ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں آپ سے ملتا ہوں“۔ مسٹر دِج کی آواز سن کر جو ہینگر اس کے ہاتھ لگا اُسے ہی لیے وہ واش روم میں گھس گئی تھی‘ مسٹر دِج نے بیڈ پر پھیلے کپڑوں کو ایک نظر دیکھا تھا اور انہیں سائیڈ پر کرتے ہوئے وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئے تھے‘ باطشہ نے ہینگر میں لٹکے کپڑوں کو دیکھا وہ سوٹ نہیں ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کی ساڑھی تھی‘ وہ ڈریس چینج کرنے کا سوچ رہی تھی مگر کمرے میں سے آتی مسٹر دِج کی آواز نے اُسے روک لیا تھا‘ اس نے امو جان کو بارہا ساڑھی پہنے ہوئے دیکھا تھا اس لیے تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ساڑھی باندھنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور جب وہ کمرے میں داخل ہوئی مسٹر دِج بیڈ پر نیم دراز عبید الرحمٰن عبید کا مجموعہ کلام ”زرد ہوا موسم اندر کا“ پڑھنے میں مشغول تھے‘ وہ سمجھی تھی کہ وہ کمرے سے جا چکے ہیں اس لیے وہ کچھ اُن کی موجودگی اور کچھ اپنی ڈریسنگ کی وجہ سے کنفیوژ ہو گئی تھی‘ مسٹر دِج نے نظر اُٹھا کر اُسے نہیں دیکھا تھا اور وہ بمشکل چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ رکی تھی‘ باطشہ نے بالوں میں بندھا ٹاول کھولا تھا اور بالوں میں برش کرنے لگی تھی‘ مسٹر دِج بظاہر کتاب پڑھ رہے تھے مگر اُن کی اس پر مکمل توجہ مرکوز تھی‘ باطشہ نے بالوں کو سلجھا کر یونہی پشت پر چھوڑ دیا تھا اور مسٹر دِج کی نگاہ نے اس کی پشت پر بکھرے حسین آبشار کو ستائش سے چھوا تھا‘ باطشہ خود پر اُن کی گہری نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی اور دھیرے دھیرے اس کی پلکیں اور ہاتھ لرزنے لگے تھے‘ اس نے بہت مشکل سے آنکھوں میں کاجل اور لبوں پر لپ اسٹک لگائی تھی اور اسٹول کھسکا کر اٹھی تھی الماری میں سے جیولری کا بکس اور نازک سی سرخ اسٹریپ والی چپل نکالی تھی اور ایک بار پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی‘ ریڈ کلر کی جھمکیاں اور نازک سا لاکٹ گلے میں پہن لیا تھا اور دو کنگن دائیں کلائی میں ڈال لیے تھے جبکہ بائیں کلائی میں کانچ کی ہم رنگ چوڑیاں سجا کر وہ اسٹول پر بیٹھی سینڈل پہن رہی تھی اور جیسے ہی وہ اسٹریپ لگانے کو جھکی

پشت پر بکھرے سیاہ بال ہرا کر زمین چھونے لگے' اُس نے جھنجھلا کر بالوں کو پشت پر کیا تھا اور ایک بار پھر وہ جیسے ہی جھکی بالوں کے ساتھ ہی ساڑھی کا پلو بھی زمین پر لہرانے لگا تھا' مسٹر دِج جو اس کی تیاری مکمل ہوتے دیکھ کر جانے کے ارادے سے اٹھے تھے اُن کی نگاہ کے سامنے ایک دلفریب منظر تھا' باطشہ نے مسٹر دِج کو نگاہ چراتے دیکھ کر خفت وحیا سے پڑتے لہو رنگ چہرے اور کپکپاتے ہاتھوں سے پلو درست کیا تھا اور جانے کے ارادے سے اٹھی تھی' اس کی اس کوشش کو ناکام بناتے ہوئے مسٹر دِج نے اپنی چوڑی ہتھیلی میں اس کی نازک کلائی کو مقید کر لیا تھا' اس نے لہو چھلکاتے لبوں کو کچلتے ہوئے کلائی آزاد کروانا چاہی تھی مگر کتنی ہی کانچ کی چوڑیاں ان کی مضبوط گرفت کی نذر ہو گئیں تھیں۔

"میری طرف نہ دیکھیے' آئینہ د یکھیے
بنتا نہیں ہے دیوانہ کوئی بھی خود بہ خود"

مسٹر دِج کے لہجے میں جذبوں کی سی آنچ تھی اور اس کی نگاہیں جھکتے ہوئے ساون بھادوں کا منظر پیش کرنے لگی تھیں' اس کا چہرہ ٹھوڑی سے انگلی کی مدد سے اونچا کیا تھا اور اس کی بے داغ پیشانی پر اپنے عنابی ہونٹ رکھ دیئے تھے اور وہ جی جان سے کانپ کر رہ گئی تھی۔

............☆☆☆............

"آئی ایم سوری...... میم!" باطشہ' وہاج کے ساتھ کھڑی اس کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے پلٹی تھی اور اس کی سائیڈ سے نکلتی ہوئی لڑکی کے ہاتھ میں موجود کولڈ ڈرنک چھلک کر باطشہ کے بلیو آنچل کو داغدار کر گئی تھی۔

"اٹس او کے......" باطشہ ٹشو سے کاندھے پر گری کولڈ ڈرنک صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔

"بھابی! یہ نشان بہت بُرا لگ رہا ہے' آپ واش روم میں جا کر صاف کر لیں"۔ وہاج نے اُسے کہتے ہوئے ویٹر کو بلایا تھا اور وہ اُس کے پیچھے چل دی تھی' ویٹر کے بتائے روم کا وہ دروازہ کھولنے کو تھی مگر اندر سے آتی آوازوں پر اس کا ہاتھ ہینڈل پر جم کر رہ گیا تھا۔

"او...... کم آن...... سویٹ ہارٹ! وہ ہادِج ربانی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔ اس نے ہلکے سے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا' اس کی نگاہ ایک طرحدار حسینہ پر پڑی تھی اور جسے پہچاننے میں ایک پل نہیں لگا تھا' یہ وہی لڑکی تھی جس کی ہادج ربانی کے ساتھ کافی نازیبا تصاویر اس لڑکی نے خود ہی باطشہ کو یہ کہہ کر دی تھیں کہ ہادج ربانی اچھا انسان نہیں ہے اور وہ اس کی گرل فرینڈ رہ چکی ہے' اس لڑکی کے ساتھ اندر جو شخص تھا اُسے دیکھ کر باطشہ کے اوپر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"باذل! میں نے صرف تمہارے کہنے پر زمان کی بیٹی کو فون کر کے ہادی کے خلاف بھڑکایا' اُسے مکمل یقین دلانے کے لیے نقلی تصویریں تک اُسے دیں' مگر مجھے اس سب سے کیا حاصل ہوا؟ ہادج تو مجھے اب بھی نہیں ملا' ہماری تمام سازشوں کے باوجود ہادج نے اُس لڑکی سے شادی کر لی اور ایسا تمہاری وجہ سے ہوا' نہ تم زمان کی بیٹی کو اغوا کرتے اور نہ وہ اپنی محبت کو رسوائی سے بچانے کے لیے ایک اغوا شدہ لڑکی سے شادی کرتا' مجھے اس کھیل سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا' فائدہ تو صرف تمہیں حاصل ہوا' ہادج نے اس لڑکی کو آزاد کروانے کے لیے اپنی جائیداد تمہارے نام کر دی' اغوا تم نے کیا' زمان کا ایکسیڈنٹ تم نے کروایا اور سب کا قصوروار تم نے میرے ہادج کو ٹھہرا دیا مگر اب میں یہ سب برداشت نہیں کروں گی' تم کچھ بھی کر کے ہادج کو میرا بنا دو' یا پھر ہادج کی پراپرٹی کا آدھا حصہ میرے نام کر دو کیونکہ کوششیں تو ساری میں نے کیں اور میں ہی اب تک خسارے میں ہوں' ہادج تو مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے اور تم

نے میری بات نہیں مانی تو میں ہادج کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی"۔ نغمہ کی باتیں سن کر باطشہ کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی' وہ بہت مشکلوں سے اپنی سسکیاں روکے ہوئے تھی۔

"او...... ڈارلنگ! تم بہت بھولی ہو' ہادج یہ سب بہت پہلے سے جانتا ہے' وہ تو اس بات تک سے واقف ہے کہ اس کے پیرنٹس کا ایکسیڈنٹ بھی میں نے کروایا تھا مگر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا' میں نے اس کی پراپرٹی حاصل کر لی اور وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکا اور تم یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا کیونکہ تم نے اب تک میری دوستی دیکھی ہے میری دشمنی تمہیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے"۔ باذل ربانی نے نہایت طیش کے عالم میں کہا تھا اور اُسے باہر کی جانب قدم بڑھاتے دیکھ کر باطشہ جلدی سے سائیڈ میں ہو گئی تھی' اُسے یہیں ساکت کھڑے جانے کتنی دیر ہو گئی تھی' مسٹر دِج اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آ نکلے تھے اور اسے وہ دیوار سے ٹیک لگائے روتے دیکھ کر لپک کر اُس تک آئے تھے۔

"باطشہ...... باطشہ......!" مسٹر دِج نے اُسے پکارا تھا مگر اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا' انہوں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تب وہ چونکی تھی اور مسٹر دِج کو دیکھنے لگی تھی' مسٹر دِج نے نیلی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے موتی قدرے حیرت سے دیکھے تھے' اُس کی آنکھوں میں لگا کاجل پھیل گیا تھا۔

"باطشہ! آر یو آل رائٹ؟" ان کے لہجے میں پریشانی و حیرت پنہاں تھی جبکہ اُس نے جلدی سے آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا مگر اس کے آنسو تھے کہ بہے جا رہے تھے۔

"پلیز...... باطشہ...... ٹیل می...... کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں...... وہ بس...... مجھے' مجھے اسی وقت اپنے گھر جانا ہے"۔ وہ اُن کی بات کے درمیان نم پلکیں اٹھاتی ہوئی بولی تھی اور وہ اس کی عجیب وغریب فرمائش پر غصے کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔

"رات کے ڈھائی بجے آپ اپنے گھر جانا چاہتی ہیں؟ آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ اس طرح روتے ہوئے اپنے گھر جائیں گی تو زمان صاحب کس قدر پریشان ہوں گے' آپ کیوں کسی کو بھی چین سے جینے نہیں دینا چاہتیں؟ کبھی اپنی ذات سے ہٹ کر دوسروں کے بارے میں بھی سوچنے کی زحمت کر لیا کریں"۔ مسٹر دِج نے طیش کے عالم میں اس کی کلائی تھامی تھی اور اُسے لیے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گئے تھے' اُسے فرنٹ سیٹ پر دھکیل کر گھوم کر آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور کار اسٹارٹ کرنے سے پہلے جیب میں سے سیل فون نکالا تھا۔

"وہاج! ہم گھر جا رہے ہیں' تم بھی بی اماں کے ساتھ گھر پہنچو"۔ وہ اتنا کہہ کر سیل آف کر چکے تھے' وہ لوگ آج باذل ربانی کی بیٹی غانیہ کے ریسیپشن میں آئے تھے' انہوں نے سیل ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا اور منٹوں میں کار ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

"پلیز...... آپ میری بات کا غلط مطلب سمجھے' میں بابا جان کے پاس......" وہ انہیں غصے میں دیکھ کر کافی ڈر گئی تھی اس لیے صفائی دینا چاہتی تھی۔

"میں اب تک آپ کو سمجھ نہیں پایا' آپ کی غیر مبہم باتوں کو کہاں سمجھ پاؤں گا' مگر...... آپ فکر نہ کریں' صبح ہوتے ہی میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں گا اور بہت جلد اس نام نہاد رشتے سے آزاد......"

اُس نے تڑپ کر نگاہ اٹھائی تھی اور مسٹر دِج نیلی نم آنکھوں میں ہلکورے لیتی بے یقینی اور اس کے پیچھے جھلملاتے اپنے عکس کو دیکھ کر جتنا حیران ہوتے کم تھا' انہوں نے اپنے اندر کے شور سے بچنے کے لیے اسٹیریو آن کر دیا تھا۔

"اک بار کہہ دو...... تمہیں پیار ہے کیا
جھوٹا ہی سہی...... اقرار ہے ناں"

گاڑی میں شہزاد رائے کی درد بھری خوبصورت آواز اپنا جادو جگا رہی تھی' سنگر کے منہ سے نکلا ہر لفظ مستر دِج کو اپنے دل کی آواز محسوس ہو رہا تھا' باطشہ نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں تھیں' اس وقت وہ ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر رہی تھی' اس گھڑی وہ دو مسافر ایک دوجے سے لاتعلق ایک دوسرے کی فکر میں ہلکان ایک ہی سوچ اور راستہ کی جانب گامزن تھے۔

سنگر کی خوبصورت آواز اُن دونوں کو گویا اُکسا رہی تھی' باطشہ نے نگاہیں کھول کر گردن موڑ کر اُن کی جانب دیکھا تھا اور مستر دِج نے اس کی آنکھوں میں لکھی ایک انجانی تحریر درج دیکھ کر گریز کی راہ اپناتے ہوئے اس کے گلابی چہرے سے نگاہ ہٹالی تھی اور ڈور کھول کر اندر چلے گئے تھے' باطشہ کافی دیر تک اُن کی سیٹ پر نگاہ جمائے رکھنے کے بعد ڈور کھول کر باہر نکلی تھی' وہ قدم رکھ اور کہیں رہی تھی اور پڑ کہیں اور رہے تھے' وہ بمشکل اپنے روم میں آئی تھی اور کمرے میں آتے ہی اُسے جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا۔

''نفرت کرتی ہوں میں آپ جیسے نفس پرست...... آپ نے جو اپنے چہرے کے گرد اک نقاب اوڑھی ہوئی ہے اُسے بے نقاب کر کے آپ کا گھٹیا چہرہ...... آپ نے مجھ سے شادی محض ایک جسم کی خاطر...... مجھے مستر دِج بالکل اچھے نہیں لگتے' وہ چین اسموکر...... اپنے گھر میں گھسنے ہی نہ دوں......'' ایک ایک کر کے اس کی کہی ہر بات جو اُس نے مستر دِج کی شان میں کہی تھی اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی' اس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر سختی سے جما لیے تھے مگر اندر کا شور تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا' وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''زمان کا ایکسیڈنٹ میں نے کروایا' تم میری گرل فرینڈ ہو......'' کچھ اجنبی اور کچھ مانوس سی آوازیں' اس کی سماعتوں میں گڈمڈ ہونے لگی تھیں اور پوری رات روتے ہوئے اور اپنا تجزیہ کرتے ہوئے گزر گئی تھی۔

''میرا جھوٹا یقین' میری بودی دلیلیں اور بے معنی ثبوت ہار گئے' میں نے اپنے مسیحا کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کیا' اُس شخص سے میں نفرت کا چیخ چیخ کر اظہار کرتی رہی جو سر آنکھوں پر بٹھانے کے لائق تھا''۔ وہ نجانے کب تک اپنا احتساب کرتی رہتی کہ اس کے کانوں میں اذانوں کی آواز گونجی تھی' اس نے بوجھل دل اور دُکھتے سر پر ہاتھوں سے دباؤ ڈالا تھا اور واش روم میں چلی گئی تھی' وضو کر کے نماز ادا کی تھی اور رو رو کر اپنی غلطیوں کی خدا سے معافی طلب کی تھی' خود میں حوصلہ پیدا ہونے کی قوت تا کہ وہ مستر دِج سے معافی طلب کر سکے' مستر دِج نے پوری رات انگاروں پر جلتے ہوئے گیسٹ روم میں گزار دی تھی اور نماز ادا کر کے انہوں نے اپنے کمرے کا رُخ کیا تھا' باطشہ جائے نماز تہہ کر رہی تھی۔

''آپ تیاری کر لیں' میں آفس جاتے ہوئے آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں گا' میں نہیں چاہتا کہ آپ اپنی پوری زندگی ایسے ہی گزار دیں' میں زبردستی کے رشتے کو قائم رکھنے کا قائل نہیں ہوں' اب تک میں صرف زمان صاحب' خیر چھوڑیں گزری ہوئی باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ آپ کو کچھ ہی دنوں میں ڈائیورس پیپرز مل جائیں......''

''مجھے ڈائیورس نہیں چاہیئے اور نہ ہی میں یہاں سے کہیں جا رہی ہوں''۔ وہ بہت زور سے چیخی تھی اور وہ اُسے اور اس کے رویے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

''میں آپ سے شرمندہ ہوں مستر دِج! مجھے اپنی کوتاہیوں کا اندازہ ہو چکا ہے' رات میں نے باذل ربانی کی باتیں سنیں' مجھے معاف کر دیں مستر دِج' میرے لگائے الزام بے بنیاد تھے' میں شرمندہ......''

''آپ شرمندہ نہیں ہیں باطشہ زمان! اور ہیں بھی تو میں کیا کروں؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر درشتگی سے پوچھ رہے تھے۔

''آپ کہتی ہیں کہ آپ شرمندہ ہیں' مگر میں کیسے آپ کی بات کا یقین کروں؟ میں کل تک ایک گھٹیا اور نفس

پرست شخص تھا اور آپ باذل ربانی کی باتیں نہ سنتیں تو آج شرمندہ نہ ہوتیں' چند سنی گئی باتوں نے میرے کردار کے ہر جھول کو اتنی آسانی سے کیسے سلجھا دیا؟ آپ اس لیے شرمندہ ہیں کہ جس شخص نے آپ کی آنکھوں پر گمراہی کی پٹی باندھنے کی خطا کی تھی اُسی نے آپ کو اس کڑی منزل سے آزاد بھی کر دیا' میں گھٹیا انسان ہوں یا نہیں ہوں' اس بات کا فیصلہ میرے طور طریقے' میرے انداز کریں گے' کوئی باذل ربانی نہیں...... میرے گناہ' میری اچھائیوں میں بدل گئے لیکن باطشہ زمان! میری خامیاں میری خوبیوں' میرے کردار کی مضبوطی' میرے باطن کی سچائی وحقیقت کسی باذل ربانی اور اس کے جھوٹے ثبوتوں کی محتاج نہیں ہے' مگر آپ نے مجھے باذل ربانی کا پابند بنا دیا' کیا میری خود سے کوئی شخصیت ہی نہ تھی؟ تمہیں خود سے' میری اچھائیاں کبھی نظر ہی نہیں آئیں' گزرے مہینوں میں اک لمحے کو بھی نہیں لگا کہ ہادج ربانی ایک ہوس پرست شخص نہیں ہے؟ تمام حقوق رکھنے کے باوجود اور نفس پرست ہونے کا لیبل اور طعنہ ملنے کے بعد بھی کبھی تم تک نہیں آیا' جب تمہیں میری خوبیوں کا ادراک خود سے نہیں ہوا' تو یہ شرمندگی اور معافی میرے کس کام کی؟ تم معافی مانگتی ہو ناں تو میں نے تمہیں معاف کیا...... مگر کیا گارنٹی ہے باطشہ زمان کہ آئندہ کوئی باذل ربانی تمہیں مجھ سے بدگمان نہیں کرے گا اور تم اُس پر ایمان لا کر میری ذات کی دھجیاں نہیں اُڑاؤ گی؟ میرے خواب' میری خوشیاں اور مجھے میری ہی نظروں سے گرانے والی تم نہیں ہو گی؟ تمہارے لبوں پر میرا نام نفرت سے نہیں محبت سے مہکے گا' میں کیسے مان لوں؟ میں سب کچھ کھو کر بھی کیسے یقین کروں کہ سحر میری منتظر ہے کیونکہ تم نے تو اُمید کا دیا ہی بجھا ڈالا ہے''۔ وہ بہت شکستہ نظر آ رہے تھے' باطشہ نے آگے بڑھ کر بولنا چاہا مگر وہ اُس کی سن ہی کب رہے تھے۔

''میں تو بہت عام سا انسان تھا مجھے محبت نے بہت خاص بنا دیا' تمہیں کسی نے کتنا ہی کیوں نہ بدگمان کیا ہو مگر ایک لمحے کو بھی میری محبت نے تمہارے دروازہ دل پر دستک نہیں دی؟ وہ لمحے تمہاری نفرت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے جب میں نے تمہیں دل سے پکارا تھا؟ تمہیں اپنے دل میں بسا کر دھڑکنوں کا احساس پایا تھا اور تمہیں پا کر تو میں اپنے ہونے کا احساس ہی بھول گیا' میں نے کسی قسم کا سودا نہیں کیا تھا باطشہ! میں نے تو چاہت کے دیے ارمانوں کے خون سے روشن کیے تھے جو تمہاری بے حسی و بدگمانی کی نذر ہو گئے' اور آج میں سوچتا ہوں باطشہ کہ کاش...... تم باذل ربانی کی باتیں نہ سنتیں اور تا حیات یونہی مجھ سے بدگمان رہتیں' کسی باذل ربانی کی سنی باتیں تمہیں میرے سامنے شرمندہ نہ کرتیں بلکہ زندگی کے آخری لمحے ہی سہی تم میری محبت کی چبھن اپنے دل پر محسوس کر کے مجھے الوداع کہہ دیتیں تو مجھے یوں لگتا کہ تمہارے لوٹ آنے کی جو خواہش اب تک میں نے بچا رکھی تھی اس زندگی کی نوید مجھے موت کی سیڑھی پر ہی سہی مل تو گئی ہے' مگر جیسے آج تم نے زیست کی نوید مجھے سنائی ہے وہ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے' تمہارے معافی کے اس انداز نے مجھے خود سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا' ہادج ربانی ایک دفعہ پہلے اس وقت اپنی نگاہوں سے گرا تھا جب اس کی محبت نے اسے بے وقعت کر دیا تھا اور ایک بار آج جس کے بعد تو جینے کی آخری خواہش بھی ہار دی ہے''۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیڈ پر ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھے تھے۔

''ہادج! گزرے دنوں میں ایسا نہیں ہے کہ میں نے آپ کی اچھائیوں کو محسوس نہیں کیا مگر میں تو خود ہی اپنے احساسات کا گلا گھونٹتی رہی کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ جس دن میرا کہا ایک ایک لفظ جھوٹا پڑا آپ مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں گے''۔ وہ روتی ہوئی دوزانو نیچے کارپٹ پر بالکل اُن کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

(جاری ہے)

............☆☆☆............

سعدیہ عابد

مکمل ناول

نیلی آنکھوں کے حصار میں ہوں

''مجھ پر آپ کی اچھائی تو اُسی پل ثابت ہوگئی تھی جب آپ نے خاموشی سے اسٹڈی کو اپنا بیڈ روم بنالیا تھا' اس کے بعد بھی آپ کی بہت سی اچھی باتیں میرے سامنے کھلتی جارہی تھیں اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میں آپ کے

سحر میں جکڑتی جارہی تھی اور مجھے لگتا تھا کہ جس دن میں آپ کی نگاہ کے حصار سے نکلی بہت بے مایہ ہوکر رہ جاؤں گی اور آپ سے دوری کے خوف نے مجھے آپ کی خوبیوں کو ایکسیپٹ کرنے سے روک دیا تھا' میں نے خود آپ کو خود سے دور کیا تھا اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کرسکوں' میں تو کبوتر کی طرح آپ کی نفرت کے ڈر سے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی مگر جب میں نے رات باذل ربانی کی باتیں سنیں تو میں اپنی نگاہ سے گر گئی اور میں نے سوچا کہ میں نے اب بھی آپ سے معافی طلب نہ کی تو شاید...... ساری زندگی خود میں حوصلہ جمع نہ کر پاؤں گی' میں سچ کہہ رہی ہوں ہادج' کہ میں اب تک خاموش صرف آپ کو کھونے کے ڈر سے ہی تھی' اگر آپ نے مجھے چاہا ہے تو میں نے بھی صرف آپ سے محبت کی ہے' میری آنکھوں میں اُبھرنے والا پہلا اور آخری عکس صرف آپ کا ہے' میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی' پلیز مجھے معاف کردیں' مجھے خود سے کبھی علیحدہ مت کیجیے گا' کیونکہ مجھ میں آپ جیسا حوصلہ نہیں ہے' میں آپ کی نگاہوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتی' میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے' مجھے معاف......'' اُس نے روتے ہوئے مسٹر ہادج کے پاؤں پکڑ لیے تھے' مسٹر ہادج نے ایک پل کی تاخیر کیے بناء اُسے

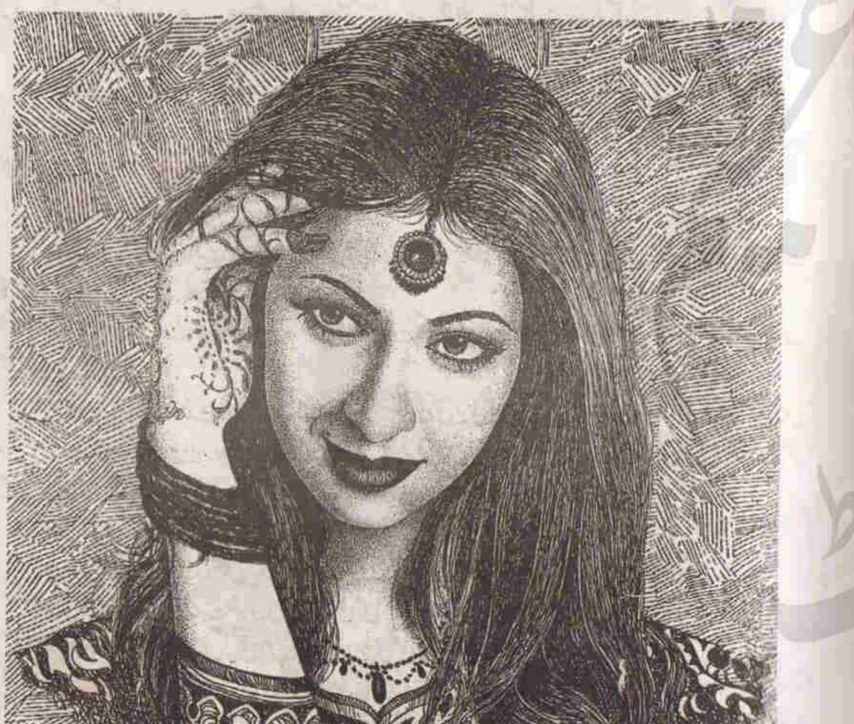

شانوں سے تھام کر اپنے برابر بٹھایا تھا اور اس کے چہرے پر نگاہ کی تھی اور نیلی جھیل سی آنکھوں میں جھلملاتے اپنے عکس کو دیکھ کر شانت ہو گئے تھے۔

تا حد نگاہ نیلا سمندر
اُبھرتی تصویر تیری
اوجھل ہوتی ذات میری

اور کچھ ثانیے اُسے دیکھتے رہنے کے بعد اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا دیئے تھے اور انہیں مسکراتے دیکھ کر وہ پرسکون ہو گئی تھی اور خود سپردگی کے عالم میں اُن کے کاندھے سے سر ٹکا دیا تھا اور آخری دُکھ کا آنسو اُن کی وائٹ شرٹ میں جذب ہو گیا تھا۔

............☆☆☆............

''خیریت بھابی! آج آپ کچن میں کیسے نظر آ رہی ہیں؟'' کافی پھینٹتی ہوئی باطشہ نے آواز پر پلٹ کر دیکھا تھا' دہاج مسکراتے ہوئے سیب کھانے لگا تھا۔

''خیریت ہی ہے جناب! ہم نے سوچا کیوں ناں اپنے اکلوتے دیور پر احسان کیا جائے اور آج اُسے اپنے ہاتھوں سے بنا کر مزیدار سی کافی پیش کی جائے''۔ اس کے کھنکتے لہجے پر دہاج نے ایک نگاہ اس پر کی تھی' آنکھوں میں شرارت لبوں پر مسکراہٹ چہرے پر سرخی باطشہ کا اتنا حسین روپ تو اس نے پہلی ہی دفعہ دیکھا تھا۔

''بھابی! آج کوئی خاص بات ہے؟''

''کیا مطلب ہے بھئی......'' وہ مصروف سے انداز میں بولی تھی اور مگ ٹرے میں رکھ کر اس کی جانب مڑی تھی۔

''آج تو آپ مجھے ہر ہر قدم پر چونکا رہی ہیں''۔ وہ مگ اٹھاتے ہوئے بولا تھا جبکہ وہ ایک گھوری ڈالتی کچن سے نکل آئی تھی۔

''ہادِج! آپ کی کافی......''

''سوری...... مجھے اس وقت جلدی میں آفس پہنچنا ہے''۔ وہ باطشہ کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر موبائل کان سے لگائے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔

''بھابی! آپ فیل نہ کریں' بھیا کی تو عادت ہی یہی ہے اکثر مجھے بھی ناشتہ کی تو کبھی ڈنر کی ٹیبل پر ایک سوری کہہ کر چھوڑ جاتے ہیں''۔

''تم کافی پی لو وجی' ٹھنڈی ہو رہی ہے''۔ وہ آنسو بمشکل روکتی بولی تھی' جب تک مسٹر دِج کی توجہ اُسے حاصل نہیں ہوئی تھی اُسے اُن کے جلدی اور وقت بے وقت جانے سے فرق نہیں پڑتا تھا مگر اب اُسے اُن کا اس طرح نظر انداز کر کے جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''بھابی! آپ کہاں جا رہی ہیں؟ آپ تو کافی......''

''میرا دل نہیں کر رہا''۔ وہ ٹیبل پر رکھ کر ٹرے کمرے کی جانب بڑھی تھی اور وہ اُسے روک گیا تھا۔

''بھابی! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی''۔

''ہاں کہو......'' وہ خود کو نارمل کرتی اس کی جانب مڑی تھی۔

''چلیں رہنے دیں' بھیا جانی کے اس طرح چلے جانے کی وجہ سے آپ اداس ہیں' میں بعد میں بات......''

''تمہارے بھیا کہیں بھی آئیں جائیں مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا' تم کہو جو تمہیں کہنا ہے''۔ اس کے لہجے میں

نامحسوس کیے جانے والی ناراضی تھی۔

''آپ کہتی ہیں تو میں مان لیتا ہوں ورنہ آپ کا چہرہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے''۔

''زیادہ چہرہ شناس بننے کی ضرورت نہیں ہے شرافت سے اپنے مطلب کی بات کرو''۔ وہ اس کے مسکراتے چہرے کو گھورتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''بھابی! میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟''

''ہیں...... یہ کیسا سوال ہوا......؟'' وہ اُسے حیرانگی سے دیکھنے لگی تھی۔

''بتایئے ناں بھابی......'' وہ بضد ہوا تھا۔

''ہوں...... دیکھنے میں تو ٹھیک ہی ہو' دو آنکھیں' ایک ناک' دو ہاتھ اور......''

''میرا باڈی اسٹرکچر میں بھی جانتا ہوں' یہ کچھ نیا نہیں ہے کہ میری دو آنکھیں اور ایک ناک ہے' میں نیچر دائز پوچھ رہا تھا''۔ اس کے خفگی سے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''سوری وجی! میں مذاق کر رہی تھی اور تم جتنے خوبصورت ہو اس سے کہیں زیادہ تم خوب سیرت اور اچھے دل کے مالک ہو' میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ میرا کوئی بھائی ہوتا تو وہ بالکل تمہارے جیسا ہوتا''۔ اُسے خفا ہو کر اٹھتے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گئی تھی اور اس نے پوری سچائی سے اپنے دل کی بات بتا دی تھی۔

''بھابی! اس کا مطلب کہ میں اتنا اچھا ہوں کہ کوئی بھی لڑکی مجھ سے شادی کر لے گی''۔ اب اس نے دوسری طرح سے اپنے بارے میں باطشہ کی رائے لینی چاہی تھی اور اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''بائی دا وے' کون ہے وہ لڑکی جس پر میرے دیور کا دل آ گیا ہے؟'' وہ شرارت بھری نگاہوں سے اُس کو دیکھ رہی تھی۔

''بھابی! آپ خفا تو نہیں ہوں گی؟''

''ارے نہیں بھئی لیکن میری دیورانی میری ٹکر کی ہونی چاہیے''۔ وہ مسکرائی تھی۔

''میری طرح خوب سیرت ہو خوبصورت بھلے نہ ہو' مگر ایسی تو ہو کہ جسے اپنی دیورانی کہنے میں مجھے فخر ہو''۔

''بھابی! وہ آپ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور بائی دا وے آپ کو اپنی خوبصورتی پر کچھ زیادہ ہی ناز نہیں ہے' وہ دن یاد ہے جب میری گاڑی سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور تب بھی آپ ایسی ہی جھوٹی باتیں کر رہی تھیں''۔

''کیا...... جھوٹی باتیں' یعنی تمہیں میرے خوبصورت ہونے پر شک ہے''۔ اُس نے وجی کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا تھا اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

''آپ کی خوبصورتی پر مجھے کسی قسم کا شک نہیں ہے اور آپ واحد اس دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون ہیں' جبھی تو میری بھابی کے منصب پر فائز ہیں' آپ کی خوبصورتی نے ہی تو بھیا جانی کو دیوانہ بنا دیا تھا''۔

''اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ''۔ وہ جھینپ سی گئی تھی۔

''بھابی! جب وہ حادثہ ہوا تھا تب میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آپ سے پھر کبھی ملاقات ہو گی لیکن بھیا تو ایک ہی نظر میں آپ پر مر مٹے اور انہوں نے اس چہرے کو روز دیکھنے کے لیے جواز پیدا کر دیا اور مجھے تو سچ میں بھابی اُس وقت بڑی حیرت ہوئی تھی جب میں نے آپ کو بھیا جانی کے ساتھ اسٹیج پر دیکھا تھا کیونکہ بھیا جانی کو امیچورڈ لڑکیاں بالکل پسند نہیں تھیں' لیکن بھیا جانی کو تو آپ کی یہ ساحر آنکھیں اپنے حصار میں باندھ گئی تھیں''۔

''اچھا...... اب زیادہ مسکہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے' اس لڑکی کا نام اور یہ بتاؤ کہ وہ کہاں رہتی ہے' تم میری

تعریفیں نہیں کرو گے تب بھی میں اُسی لڑکی کو اپنی دیورانی بناؤں گی جو تمہیں پسند ہے‘‘۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ مسکراتی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

’’بھابی! اس طرح مسکراتے میں نے آپ کو گزرے مہینوں میں پہلی دفعہ دیکھا ہے‘ مسکراتی رہا کریں اچھی لگتی ہیں‘ بھیا جانی تو آپ کی مسکراہٹ کے دیوانے......‘‘

’’مجھے لگتا ہے تمہیں کوئی بات کرنی ہی نہیں ہے‘ اس لیے میں چلتی ہوں‘‘۔ وہ اپنی جھینپ مٹانے کو خفگی سے بولی تھی۔

’’ارے ارے‘ کہاں چلتی ہیں‘ بیٹھ جائیے‘‘۔ وہ اُسے اٹھتے دیکھ کر بولا تھا اور وہ واپس بیٹھ گئی تھی۔

’’بھابی! آپ کو بُرا لگے تو مجھے معاف......‘‘

’’ارے بھئی تم اتنی تمہید کیوں باندھ رہے ہو‘ خدانخواستہ لڑکی میں کوئی عیب......‘‘

’’نہیں بھابی! وہ بہت اچھی ہے اس میں کوئی عیب کوئی برائی نہیں ہے‘‘۔

’’تو پھر صاف صاف بتاؤ‘‘۔ وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور وہاج نے ہمت کر کے نام لے ہی دیا تھا اور نام سن کر باطشہ حیران رہ گئی تھی۔

’’وجی! یہ تم......‘‘

’’بھابی! میں نے آپ کو اپنے دل کی بات بتائی ہے اور باسطہ کو میں اس وقت سے چاہتا ہوں جب مجھے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ آپ کی بہن ہے‘ باسطہ میری کلاس فیلو ہے اور میں باسطہ کی سادگی‘ خاموشی‘ سنجیدگی اور لیے دیئے انداز سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ میں باسطہ سے محبت کر بیٹھا‘‘۔ اس نے باطشہ کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر کہنا شروع کر دیا تھا۔

’’تم نے یہ بات باسطہ سے کہی ہے؟‘‘ وہ اپنی حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

’’نہیں...... میں چاہتا تھا کہ باسطہ سے کہوں کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے لیکن میں نے اتفاقاً باسطہ کی باتیں سن لی تھیں اور مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ انگیج ہے‘ تب میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اب اتفاق سے اس دن جب باسطہ یہاں آئی تھی آپ دونوں باتیں کر رہی تھیں تو میں نے سن لی تھیں‘ مجھے باسطہ کے منگنی کے ٹوٹ جانے کا پتہ چلا تھا اور اسی لیے آج میں نے آپ کو بتایا ہے تاکہ آپ باسطہ کی مرضی پوچھ لیں‘‘۔ اس نے تفصیل بتائی تھی۔

’’باسطہ نے بالفرض انکار کر دیا......‘‘

’’میں بالکل بُرا نہیں مانوں گا کیونکہ باسطہ سے محبت میں نے کی ہے اور میں خود سے محبت کرنے کے لیے باسطہ کو مجبور نہیں کر سکتا‘ بھیا جانی کہتے ہیں کہ جس لڑکی سے محبت کرو اُسے محبت سے زیادہ عزت دو کہ جب ہی محبت کا حق ادا کر سکو گے‘ اور باسطہ میری قسمت میں ہوئی تو مجھے ضرور ملے گی اور قسمت میں نہ ہوئی تو وہ میرے پہلے پاکیزہ پیار کی شکل میں میرے دل میں رہے گی اور میں اپنے پیار کی توہین کبھی نہیں چاہوں گا‘‘۔ وہ دھیمے سے سچائی سے پُر لہجے میں بولا تھا۔

’’وجی! میں بہت خوش ہوں کہ میری بہن کو تم جیسے اچھی سوچ کے مالک انسان نے چاہا ہے‘ میں باسطہ سے اور بابا جانی سے بات کروں گی‘ باسطہ تم جیسے پیارے انسان کو انکار نہیں کر سکے گی‘‘۔ وہ حقیقتاً یہ جان کر بہت خوش ہوئی تھی کہ وہاج‘ باسطہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

’’میری بہت سی تعریفیں کرنے کا بہت شکریہ اور آپ نے نہ صرف اپنے گھر والوں سے بات کرنی ہے بلکہ بھیا جانی سے بھی آپ کو ہی بات کرنا ہوگی‘‘۔ اس نے دہری ذمہ داری باطشہ کے کاندھوں پر ڈالنا چاہی تھی۔

’’ارے اپنے بھیا سے خود بات کرو‘ تمہاری اچھی خاصی انڈراسٹینڈنگ تو ہے‘‘۔

’’یہ بات آپ نے ٹھیک کہی ہے مگر بھیا جانی سے اپنی شادی کی بات کرتا میں خاک بھی اچھا نہیں لگوں گا‘ اس لیے

اس مشرقی لڑکے کی پسند اس کے باپ تک آپ نے ہی پہنچانی ہے‘‘۔ اس نے شرمانے کی ناکام سی کوشش کی تھی۔

’’مشرقی لڑکے‘ کے کیا کہنے ہیں جناب! باپ سے بات کرنے سے ڈرتا ہے اور ماں سے کہتے نہیں جھجکتا‘‘۔ اس نے مصنوعی غصہ دکھانے کی کوشش کی تھی جبکہ اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

’’بھابی! آپ عمر میں مجھ سے چھوٹی ہیں لیکن رشتے اتنے بڑے بڑے......‘‘

’’عمر کی نہیں وجی! رشتوں کی اہمیت ہوتی ہے اور جب ہادِج تمہیں بیٹا مانتے ہیں تو میں خود بخود تمہاری ماں کے درجے پر فائز ہو گئی ہوں‘ اس لیے میری عمر بے معنی ہو جاتی ہے‘‘۔ اس کے لہجے میں سچائی پنہاں تھی۔

’’بھابی! آپ میرے لیے ہر رشتہ میں قابل احترام ہیں‘ میں نے آپ کی صورت میں بھابی نہیں ایک بہن‘ ایک دوست اور ایک ماں کو بھی پالیا ہے اور ویسے بھابی! اکثر میں بھیا جانی کو بابا‘ ڈیڈ‘ پاپا جو جی چاہتا ہے کہہ لیتا ہوں‘ آپ کو ممی‘ مما‘ ماما کچھ بھی کہوں تو چلے گا؟‘‘ وہ سیریس سے ایکدم اپنے مخصوص انداز میں نان سیریس ہو گیا تھا۔

’’زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے‘ تمہیں اتنی سی بات کہہ دی تم تو سر پر ہی چڑھنے لگتے ہو‘ مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی عمر سے بڑے لڑکے کی ماں بننے کا‘ کیسے مزے سے کہہ رہے تھے ممی‘ ماما‘ مما کچھ بھی چلے گا‘ ان میں سے کچھ نہیں چلے گا‘ سمجھے‘‘۔ وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی اور اس کی زبان کو بریک وہاج کے ساتھ ساتھ مسٹر وِج کے قہقہے کی آواز پر لگے تھے‘ اس نے سر گھما کر دیکھا تھا مسٹر وِج ہنستے ہوئے اندر آ گئے تھے۔

’’شاید تمہیں معلوم نہیں ہے وجی! تمہاری بھابی کو اپنی عمر سے چھوٹا نظر آنے کا بڑا شوق ہے‘‘۔ وہ اس کے عین سامنے آ رُکے تھے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے شرارت سے بول رہے تھے۔

’’پہلے نہیں تھا مگر اب ہو گیا ہے‘‘۔ وہ معصومیت سے بولا تھا اور وہ جھینپ مٹانے کو اُسے گھورنے لگی تھی جبکہ وہ مسکراتے ہوئے اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

’’محترمہ! یہ بندہ خاکسار آپ کو جان‘ جانِ من‘ ڈارلنگ‘ سویٹ ہارٹ کچھ بھی کہے گا تو چلے گا؟‘‘ وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے مگر ان کے لبوں پر جان لیوا مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت ہلکورے لے رہی تھی‘ باطشہ نے نگاہ اٹھائی تھی اور دوسرے ہی لمحے پلکیں عارضوں کو چھونے لگی تھیں۔

’’جواب نہیں دیا آپ نے مسز ہادج ربانی!‘‘

’’آپ جان‘ سویٹ ہارٹ‘ جانِ من‘ ڈارلنگ سب کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن...... اس وقت نہیں کیونکہ میں آپ سے ناراض ہوں‘‘۔ وہ دھیرے سے ہاتھ چھڑاتی کچن میں چلی گئی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے روم میں چلے آئے تھے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ اُن کے اس طرح جانے کی وجہ سے ناراض ہے لیکن ان کا اس وقت فوراً جانا ضروری تھا‘ اُن کی اتنے دنوں کی محنت آج رنگ لے آئی تھی‘ باذل ربانی اس وقت جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا‘ اس کا باہر آنا بھی ناممکن تھا کیونکہ دیگر کیسز اور شاذل ربانی اور مسز ربانی کے قتل کے ساتھ باذل ربانی پر نغمہ کے قتل کا بھی الزام تھا اور باذل کو نغمہ کا قتل کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا‘ نغمہ‘ باذل کے ہر بُرے کام میں اس کی ساتھی تھی لیکن وہ ہادج کی کلاس فیلو رہی تھی اور ان سے شادی کرنا چاہتی تھی اسی لیے نغمہ نے باطشہ کو مسٹر وِج کے خلاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن جھوٹ کیسا ہی کیوں نہ ہو سامنے آ ہی جاتا ہے‘ باطشہ بھی سچائی جان گئی تھی اور جب نغمہ نے مسٹر وِج سے ہاتھ دھوئے تو وہ مسٹر وِج کی پراپرٹی جو باذل ربانی کے نام ہو گئی تھی اس نے اس میں حصہ مانگ لیا اور باذل ربانی نے جس کی پاداش میں اُسے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا‘ مسٹر وِج جو باپ کے مجبور کرنے پر اپنے باپ کا قتل باذل ربانی کو معاف کر چکے تھے اور اس کی ہر بدتمیزی کو خاموشی سے سہہ رہے تھے

وہ سب ختم ہوگیا کیونکہ ہادج ربانی اگر اپنے ساتھ کیے بازل ربانی کی ہر خطا اور جرم کو بخش دیتے تو نغمہ کے قتل کے الزام میں پھانسی یا عمر قید بازل ربانی کا مقدر بنتا ہی تھی۔

............☆☆☆............

"باسطہ! دل تو کر رہا ہے ابھی آ جاؤں، تم سب سے ملنے کا بڑا دل کر رہا ہے، ہاں رات زیادہ ہوگئی ہے اس لیے کل آؤں گی، میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے، ابھی نہیں آ کر بتاؤں گی"۔ وہ کن انکھیوں سے مسٹر دِج کی بے تابی نوٹ کر رہی تھی اور اسی لیے وہ اپنی بات کو طول دیے جا رہی تھی، اُسے باسطہ سے بات کرتے 2 گھنٹے سے بھی زیادہ کا وقت ہوگیا تھا اور اب تو دوسری جانب موجود باسطہ نے نیند آنے کا اعلان کرتے ہوئے فون رکھنے کی بات کی تھی۔

"یار! کچھ دیر بات نہیں کر سکتیں، مجھے ابھی بالکل نیند نہیں آ رہی"۔ اُن کا ضبط جواب دے گیا تھا اور وہ بالکل اس کے عین سامنے آ رُکے تھے۔

"ہاں، ہادِج ہیں لیکن وہ بہت مصروف ہیں، آفس کی کچھ فائلز......" وہ ہنستے ہوئے ان کے ناراض چہرے پر نگاہ ڈال کر اتنا ہی بولی تھی کہ مسٹر دِج نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے سیل فون جھپٹ کر لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

"ہادج! میں باسطہ سے بات کر رہی تھی اور آپ نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی، کتنی غلط بات ہے"۔

"جو میں نے کیا وہ غلط اور جو آپ پچھلے ڈھائی گھنٹوں سے کر رہی ہیں وہ کہاں سے درست ہے؟" سیل فون بیڈ پر اچھالتے ہوئے اُسے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا۔

"آپ کو اپنا نظر انداز کیا جانا کتنا بُرا لگا اور آپ جو شام میں مجھے نظر انداز کر کے چلے گئے تھے اُس کا کیا......" وہ یک ٹک اُسے دیکھے گئے تھے، وہ کیوں نہ بے خود ہوتے وہ حق سے بولی بھی تو پہلی دفعہ تھی اور اس کے گلابی چہرے پر خفگی کے تاثر کے ساتھ بلا کی معصومیت بھی تھی جو اُسے اور حسین بنا گئی تھی۔

"جان ہادج! میں آپ کو کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتا اور نظر انداز ہی کرنا ہوتا تو فاصلے کیوں سمیٹتا"۔ ٹھوڑی پر انگلی جماتے ہوئے چہرے کو اوپر کیا تھا اور بغور اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرگوشی کی تھی، اس کے چہرے پر حیا کی لالی بکھر گئی تھی اور لبوں پر آپو آپ مسکراہٹ کھلتی چلی گئی تھی اور مسکرانے سے باطشہ کے گال میں پڑتا بھنور انہوں نے دیکھ کر عالم بے خودی میں ایک شعر پڑھا تھا۔

"اس کے رخسار پہ ڈمپل نے قیامت کر دی
ایک چھوٹے سے بھنور میں مرا دل ڈوب گیا"

دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔

"باتیں بنانے میں تو آپ ماہر ہیں"۔ وہ نگاہ جھکاتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔ مسٹر دِج کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی اور اس کی نگاہ اُن کے سرخ و سفید صبیح چہرے میں اٹک اٹک سی گئی تھی۔

"صورت کیا دیکھتے ہو
دل میں اُتر کر دیکھو ناں"

وہ اُس کی محویت دیکھتے ہوئے گنگنائے تھے اور وہ جھینپ گئی تھی اور جھینپ مٹانے کو بولی تھی۔

"کیوں، کیا میں آپ کو دیکھنے کا حق نہیں رکھتی؟"

"جان ہادج! آپ تو سارے حقوق رکھتی ہیں"۔ مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا تھا۔

"ہادج......!"

"کہیے مسز ہادج......"

"آپ نے مجھے معاف......"

"اونہوں......" وہ اس کے لبوں پر انگلی رکھ گئے تھے۔

"ماضی دہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا باطشہ اور یہ اطمینان آپ کے لیے بہت نہیں ہے کہ آپ میرے دل کی خوشی سے میرے گھر، میرے کمرے اور میرے نزدیک کھڑی ہیں"۔

"ہادج! میں ثبوت نہیں چاہتی کیونکہ میں جان گئی ہوں کہ ثبوت بھی اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور جو ثبوت آپ کی وفا نے مجھے سرخروئی کی صورت دیا ہے وہ بھی میرے لیے بہت ہے، مگر نجانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ میرا گناہ بہت بڑا تھا جبکہ آپ نے مجھے اتنی آسانی سے معاف......"

"آسانی سے کہاں معاف کیا ہے مسز ہادج! دل کے بدلے دل کا سودا کیا ہے اور آپ کو میں نے نہیں میری وفا نے معاف کیا ہے کیونکہ یہ میری وفا کا مجھ سے تقاضا تھا کیوں بار بار پوچھ کر آپ میری وفا پر شک کر رہی ہیں اور یہ بات میرے لیے اتنی ہی تکلیف دہ ہے جتنی کہ آپ کی نفرت"۔

"کچھ نہ کہیں ہادج! مجھے آپ کی وفا پر پورا یقین ہے اور آپ سے نفرت میں نے کبھی نہیں کی، ایک بدگمانی تھی جس نے فاصلے پیدا کر دیے تھے، بدگمانی کے خاتمے کے ساتھ ہی تمام فاصلے مٹ گئے اور مجھے بہت خوشی اور آپ پر فخر ہے کہ مجھے آپ جیسا اچھا اور اعلیٰ سوچ کا ہمسفر ملا"۔

"زبانی کلامی تعریف نہیں مسز ہادج! عملی صورت دکھائیے"۔

"کہیے ہادج! آپ جو کہیں گے میں ضرور کروں گی"۔

"سوچ لیجیے جان ہادج! وعدہ کر کے مکریں گی تو نہیں"۔ ان کی حسین آنکھیں شرارت سے اُس پر جمی تھیں اور وہ اُن کی شرارت سمجھے بنا زور و شور سے اپنی بات پر قائم رہنے کی بات کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ کو مجھ سے محبت ہے تو اس کا اظہار خوبصورت انداز میں کر کے دکھائیے، صرف ڈائیلاگ سے کام نہیں چلے گا"۔ وہ اُسے منہ کھولتے دیکھ کر بولے تھے اور وہ اُن کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ بڑے چیلنجنگ انداز میں اُسے دیکھ رہے تھے، وہ انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

"ابھی تو بڑے بلند و بانگ دعوے کیے جا رہے تھے"۔ وہ مستقل مسکراتے اُسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے، وہ ان کے سامنے سے ہٹ کر سوئچ بورڈ تک گئی تھی لائٹ آف کر کے زیرو پاور بلب کی ہلکی ملگجی سی روشنی کمرے میں پھیل گئی تھی، وہ واپس چلتی ہوئی اُن کے سامنے آ رُکی تھی، ان کا مضبوط ہاتھ اپنے کومل ہاتھ میں تھاما تھا اور دھیرے سے کہنے لگی تھی۔

"آئی لو یو ہادج! میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور پلیز...... مجھے آپ یونہی محبت کرتے رہیے گا، میں آپ کی نگاہ کے حصار سے نکل کر جی نہیں پاؤں گی"۔ اُسے پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ کب اس کی آنکھ سے آنسو نکلے اور مسٹر دج کے ہاتھ کی پشت پر ٹپک گئے۔

"آپ اظہار نہ بھی کرتیں تب بھی مجھے پتہ تھا کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں اور میں بھی اتنا ہی کہوں گا کہ میں نیلی آنکھوں کے حصار میں رہنا چاہتا ہوں"۔ دھیرے سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں قید کر لیا تھا اور اس نے اُن کے کاندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

”میرا آپ سے وعدہ ہے ہادج! زندگی کے کسی بھی موڑ پر میں آپ سے بدگمان نہیں ہوں گی اور آپ پر شک کرنے اور جلنے کی بجائے جو بات ہوگی اُسے کلیئر کرلوں گی کیونکہ میں جان گئی ہوں کہ بدگمانی صرف فاصلے لے کر آتی ہے“۔ وہ مسکرا کر چپ کر گئی تھی اور پیار بھری سرگوشیوں تلے رات بیت گئی تھی اور وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اُسے اپنی بات کا مان بہت جلدی رکھنا پڑے گا۔

............☆☆☆............

”وجی! ڈھنگ سے ناشتہ کرو‘ پیپر شروع ہونے میں ابھی بہت وقت باقی ہے“۔

”مجھے تو بڑا ہی ڈر لگ رہا ہے بھیا جانی!“

”ریلیکس جان! اب تم ساتویں یا نویں جماعت میں تو پڑھتے نہیں ہو‘ یونیورسٹی لیول تک آ گئے ہو اور پیپر سے پریشان ہونے کا عالم کسی چھوٹے بچے کی ہی طرح ہے“۔ وہ اس کے ہونق چہرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

”میں چلتا ہوں بھیا جانی! میرے لیے دعا کیجیے گا“۔ وہ عجلت میں مسٹر دِج کے ساتھ باطشہ کو بھی خدا حافظ کہتا فائل اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

”آپ کے لیے چائے بناؤں؟“ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور اُس نے چائے بنا کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔

”آفس جاتے ہوئے مجھے بابا جانی کے پاس چھوڑ دیجیے گا“۔

”کیا جانا ضروری ہے؟“

”ضروری تو نہیں ہے مگر میں بہت دن سے سب سے ملی نہیں ہوں تو اس لیے میرا دل کر رہا تھا سب سے ملنے کو“۔

”بہت دن نہیں صرف 4 دن ہوئے ہیں‘ لیکن آپ تیاری کرلیں‘ میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے ٹھیک ساڑھے دس بجے میری ایک اہم میٹنگ ہے“۔ گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی جو 9 بجا رہی تھی‘ وہ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ہلکا اورنج رنگ کا شیفون کا سوٹ نکال کر پہنا اور لائٹ سے میک اپ کے ساتھ بال کھلے چھوڑ دیئے تھے اور اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

”بھیا جانی......!“ وہ اخبار پڑھنے میں مصروف تھے جب جانی پہچانی آواز کانوں میں پڑی تھی‘ نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا‘ سامنے ہی غانیہ کھڑی تھی۔

”ارے غانیہ چندا! تم صبح ہی صبح“۔ اخبار رکھ کر اُس تک آئے تھے اور اس کے عین سامنے آ رُکے تھے‘ اس کے اداس چہرے کو دیکھ کر انہیں کسی انہونی کا خدشہ لاحق ہوا تھا۔

”غانیہ! اکیلی آئی ہو‘ احمر کہاں ہے؟ وہ ساتھ......“ وہ اتنا ہی بولے تھے اور وہ اُن کے کاندھے سے آ لگی تھی اور وہ بڑی پریشانی سے اُسے بلکتے دیکھ رہے تھے۔

”غانیہ! مجھے بتاؤ بیٹا کیا بات ہے؟ سب خیریت......“ چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

”بھیا جانی! سب ختم ہوگیا“۔ وہ بلکتے ہوئے بولی تھی۔

”بی اماں پانی لائیے“۔

”ہادج! سب ٹھیک تو ہے‘ یہ غانیہ اتنا رو......“

”باطشہ! ایک گلاس پانی لے آئیں‘ تم یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کیا بات ہے“۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بٹھایا تھا اور خود بھی ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے۔

”بھیا جانی! احمر...... احمر...... نے مجھے طلاق دے دی ہے“۔ وہ اُن کے کاندھے سے لگی زور زور سے رونے لگی تھی جبکہ وہ تو اس کی بات سن کر حیران رہ گئے تھے اور پانی کا گلاس باطشہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا‘ آواز پر انہوں نے اُسے دیکھا تھا‘ وہ منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی‘ انہوں نے غانیہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کا سر اونچا کیا تھا لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

”غانی! آنکھیں کھولو چندا‘ غانی......“ وہ اُس کا گال تھپتھپا رہے تھے‘ بی اماں جلدی سے پانی لے آئیں تھیں‘ انہوں نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تھے مگر وہ ان کے کاندھے سے لگی ہوش وحواس سے ایکدم بیگانہ تھی اور وہ بازوؤں میں اسے اٹھائے باہر کی جانب بڑھے تھے۔

”ہادج! پریشان نہ ہوں‘ غانیہ کو کچھ نہیں ہوگا“۔ باطشہ پچھلی سیٹ پر موجود تھی وہ ان کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولی تھی۔

”اسے کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے‘ اسے کچھ ہوا تو میں احمر سے جینے کا حق چھین لوں گا“۔ وہ ریش ڈرائیونگ کرتے ہاسپٹل آئے تھے اور اب کاریڈور میں بڑی بے چینی سے چکر لگا رہے تھے‘ غانیہ کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ڈاکٹروں کی کوششوں اور رب کی رحمت سے اُسے ہوش آ گیا تھا‘ دل ہی دل میں مسٹر دِج رب کا شکر ادا کرتے ظہر کی نماز پڑھنے چلے گئے تھے اور ساتھ ہی شکرانے کے نوافل پڑھ کر وہ واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے باطشہ کو دیکھنے کے لیے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تھی‘ وہ انہیں سامنے سے آتی دکھائی دی تھی‘ نماز کے انداز میں دوپٹہ بندھا ہوا تھا وہ ان کے پاس آ رُکی تھی۔

”آپ لوگ اپنے مریض سے مل سکتے ہیں‘ انہیں دوسرے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا ہے“۔ وہ دونوں نرس کے ساتھ کمرے میں آ گئے تھے۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“ باطشہ نے پوچھا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

”غانی! اس طرح مت روؤ چندا!“

”بھیا جانی! اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میں نے اس کی خاطر ڈیڈ سے لڑائی کی اور اُس نے......“

”غانیہ! ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘ ہم بعد میں بات کرتے ہیں“۔

”بھابی! اب بات کرنے کو کیا رہ گیا ہے؟ اس نے مجھے اپنی زندگی سے الگ نہیں کیا اس نے تو مجھ سے کبھی محبت نہیں کی‘ تو وہ سب کیا تھا......؟“ وہ بُری طرح بلکنے لگی تھی‘ مسٹر دِج نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تھا اور وہ مزید بکھر گئی تھی۔

”چپ کر جاؤ چندا!“

”بھیا جانی! وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے مجھ سے صرف محبت کا ڈرامہ کیا تھا اور شادی اس نے دولت کے لیے کی‘ بھیا جانی محبت کوئی ڈرامہ نہیں ہوتی اور اگر وہ ڈرامہ کر رہا تھا تو مجھے اس کے جذبے خالص کیوں لگے تھے؟ 6 سال میں کوئی ایک لمحہ ایسا نہ تھا جس میں مجھے لگا ہو کہ وہ میرے ساتھ مخلص نہیں ہے اور وہ کہتا ہے اس نے مجھ سے اس لیے راہ ورسم بڑھائے کہ میں باذل ربانی کی بیٹی‘ اس کی جائیداد کی اکلوتی وارث تھی اور جب قانون نے اس دولت کو ناجائز قرار دے کر بحق سرکار ضبط کرلیا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ بھیا جانی وہ مجھے چھوڑنا چاہتا تھا چھوڑ دیتا مگر یہ تو نہ کہتا کہ اس نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی‘ اس نے تو میری محبت کی لاج نہ رکھی“۔ اس کے تڑپنے‘ بلکنے پر باطشہ کے ساتھ مسٹر دِج کی آنکھ بھی نم ہو گئی تھی اور وہ اُسے جتنا چپ کروا رہے تھے وہ اتنا ہی

روئے جارہی تھی۔

"باطشہ! آپ پلیز اسے چپ کروائیں"۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے باطشہ سے بولے تھے اور کمرے سے نکل گئے تھے' باطشہ اس کے پاس آ رُکی تھی' غانیہ اس کے گلے سے لگی بلکنے لگی تھی اور وہ اسے چپ کروانے لگی تھی۔

............☆☆☆............

"غانیہ! مجھ سے ناراض ہے اور اُسے ہونا بھی چاہیے لیکن میری آنکھیں اُسے دیکھنے کو ترس گئی ہیں' وہ تیری بات کبھی نہیں ٹالے گی' اُسے کہو وہ ایک بار آ کر مجھ سے مل لے' میں مرنے سے پہلے ایک دفعہ اُسے دیکھنا چاہتا ہوں"۔ ہمیشہ تن کر کھڑا ہونے اور دوٹوک اکھڑ لہجے میں بات کرنے والا عاجزی کی تصویر بنا مسٹر دج کے سامنے کھڑا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں' میں بہت جلد اُسے لے کر آؤں گا اور وہ آپ سے ناراض نہیں ہے' وہ شہر سے باہر گئی ہوئی ہے"۔ انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

"ہادج! میرا دل بہت گھبراتا ہے' میں نے بہت بُرے کام کیے ہیں لیکن اپنی بیٹی کا بُرا کبھی نہیں چاہا' وہ احمر کے ساتھ خوش تو ہے؟"

"وہ بہت خوش ہے"۔

"لیکن مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ وہ خوش نہیں ہے' تم غانیہ کا ذکر میری آنکھوں میں دیکھ کر کیوں نہیں کرتے' تمہارے چہرے پر مجھے جھوٹ اور دُکھ کیوں دکھائی دیتا ہے"۔ باذل ربانی اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

"آپ کا وہم ہے"۔

"ہادج! کوئی بات ہے تو' مجھ سے مت چھپاؤ' تمہیں بھائی صاحب کی قسم ہے"۔ مسٹر دج کچھ دیر انہیں دیکھتے رہے تھے اور پھر غانیہ کے ساتھ ہونے والا سانحہ انہوں نے کہہ سنایا تھا۔

"میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا مگر آپ نے بابا جان کی قسم دے کر مجھے مجبور کر دیا ہے"۔

"لیکن اس نے طلاق دی کیوں؟ وہ تو غانیہ سے محبت کرتا تھا"۔

"وہ غانیہ سے نہیں آپ کی دولت سے محبت کرتا تھا اور جب دولت ملنے کی آس ختم ہو گئی تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ غانیہ نے ایک بے ضمیر انسان سے محبت کی اور تین ماہ بعد بھی اس سانحہ کو بھول نہیں سکی' وہ مجھے پہلے بتاتی تو باخدا میں اپنی ساری دولت اس کی محبت پر نچھاور کر کے اس کی محبت کا مان رکھ لیتا' مجھے خود پر بھی افسوس ہے کہ میں اُسے پہچان ہی نہ سکا' آپ کو شادی پر میں نے ہی تو مجبور کیا تھا"۔ وہ خود کو ملامت کرنے لگے تھے مگر اس کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ جو کچھ ہوا اُسے ایسا ہی ہونا تھا اور وہ ہو چکا تھا۔

"ہادج! مجھ سے وعدہ کر تو غانیہ کا بہت خیال رکھے گا"۔

"آپ نہ بھی کہتے تو میں اُس کا خیال رکھتا"۔

"ہادج! میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں تو غانیہ کی شادی وہاج سے کر دے' میں جانتا ہوں یہ مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں"۔

"غانیہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں اُس کا ایک بھائی کی طرح خیال رکھ رہا ہوں اور آگے بھی رکھوں گا اور جہاں تک آپ کی خواہش کی بات ہے میں آپ سے وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ وہاج' غانیہ سے اور غانیہ وہاج سے شادی کے لیے راضی ہو جائیں گے یا نہیں"۔

"تو وہاج سے بات تو کر کے دیکھ' وہ تیری کسی بات سے انکار نہیں کرتا"۔

"میں وہاج سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گا"۔ وہ باذل ربانی کے ہاتھ چھوڑ کر کرسی کھسکا کر اٹھ گئے تھے اور باذل ربانی جیل کی سلاخوں پر سر ٹکا گئے تھے۔

"میرے ہر بُرے کام کی سزا میرے ساتھ ساتھ میری بیٹی کو بھی جھیلنی پڑ رہی ہے"۔ انہوں نے بے بسی سے سوچا تھا' انہیں ان کے ہر بُرے کام کے انجام کے طور پر عمر قید کی سزا ملی تھی اور یہ کتنی طویل یا مختصر ہو سکتی تھی اس کا انحصار ان کی چلتی ہوئی سانسوں پر تھا' اُن کے مرتے ہی سزا ختم ہو جانی تھی۔

............☆☆☆............

"ہادج! آپ کی چائے......"

"ہونہہ......" وہ جو کسی سوچ میں تھے صرف ہنکارا ابھر کے رہ گئے تھے۔

"ہادج! کوئی بات ہے' آپ پریشان لگ رہے ہیں"۔

"وہاج کو بلائیں' مجھے اس سے بات کرنی ہے"۔

"سب ٹھیک تو ہے؟"

"پلیز جو کہا ہے وہ کریں"۔ وہ اُن کے دوٹوک انداز پر اسٹڈی سے باہر آ گئی تھی۔

"بھیا جانی! آپ نے مجھے بلایا"۔

"بیٹھ جاؤ"۔ انہوں نے ساتھ ہی باطشہ کو بھی آواز دی تھی۔

"وجی! جو بات میں کرنے جا رہا ہوں وہ ہرگز بھی قبل از وقت نہیں ہے لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ میں جلدی کر رہا ہوں کیونکہ تم نے ابھی ماسٹرز کیا ہے' عملی زندگی میں قدم جمانے کے لیے تمہیں کچھ سال لگیں گے اور اس کے بعد ہی میں نے تمہاری شادی کا سوچا تھا لیکن اکثر ہماری سوچوں کے مطابق نہیں ہوتا"۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئے تھے۔

"بھیا جانی! آپ کو جو بات کہنی ہے کہہ دیجیے کیونکہ آپ بات کرنے کا نہیں حکم دینے کا حق رکھتے ہیں"۔ وہ حیرت سے نکلتا ہوا کہہ رہا تھا' وہ ان کی بات کچھ کچھ سمجھ بھی گیا تھا اور نہیں بھی جبکہ وہ ہلکے سے مسکرا دیے تھے۔

"میں نے زندگی میں کبھی تمہیں حکم نہیں دیا' لیکن وجی شادی ساری زندگی کا سب سے اہم حصہ ہوتی ہے اور میں چاہوں گا کہ تمہاری شادی تمہاری خوشی سے ہو' تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو......"

"بھیا جانی! جو لڑکی آپ میرے لیے پسند کریں"۔

"میں نے کہا ناں میری نہیں اپنی بات کرو' ہمیشہ جو مجھے پسند رہا ہے وہی تمہاری بھی پسند رہی ہے اور تمہاری پسند کو بھی میں نے دل سے قبول کیا ہے' اور تمہاری شادی کے لیے تم جس لڑکی کو پسند کرو گے وہی میری پسند بن جائے گی' یہاں میں چاہوں گا کہ تمہارے دل کو اولیت ملے جبکہ ہم دونوں الگ نہیں ہیں"۔ وہ شفقت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"بھیا جانی! آپ کو بھابی نے بتایا ہوگا کہ میں......" انہوں نے باطشہ کو دیکھا تھا۔

"میں ہادج سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن غانیہ کے آنے کے بعد گھر میں اتنی ٹینشن تھی کہ بات نہیں کر سکی"۔ وہ دھیرے سے کہہ رہی تھی۔

"کون ہے وہ لڑکی؟"

"باسطہ!" وہ کہہ کر اسٹڈی سے نکل گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد باطشہ نے وہ تفصیل مسٹر دج کو سنا دی تھی جو

اُسے وہاج نے بتائی تھی۔

”آپ اپنے گھر میں بات کر لیں‘ اس کے بعد ہم باقاعدہ باسطہ کا رشتہ لے کر جائیں گے‘ اقرار اور انکار کا آپ کے گھر والوں کو حق حاصل ہے مگر میں چاہوں گا کہ اقرار ہو جائے کیونکہ یہی وہاج کی خوشی ہے۔“ وہ اس کے ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اٹھ گئے تھے اور وہ انہیں جاتا دیکھ رہی تھی۔

”کبھی کبھی ہادج ایک معمہ بن جاتے ہیں اور اتنے اجنبی لگتے ہیں کہ مجھے ان سے خوف آنے لگتا ہے۔“ وہ بند دروازے کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

”ہادج! آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے بتایئے! میں آپ کی بے رخی برداشت نہیں کر سکتی۔“ آخر میں اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا اور انہوں نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی‘ چہرے پر اداسی اور آنکھوں میں پانی مچل رہا تھا۔

”بیٹھ جائیں باطشہ! مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ ان کے لہجے میں غیر معمولی سنجیدگی تھی اور وہ بیڈ کے کونے پر ٹک گئی تھی۔

”باطشہ! میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔“

”واٹ......؟“ وہ بڑی حیرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور انہیں اس کے ایسے ہی ردعمل کی امید تھی اس لیے وہ مزید کہنے لگے تھے۔

”اس میں اتنی حیرانگی والی بات کیا ہے؟ کتنے ہی مرد دوسری‘ تیسری......“

”کوئی ایک شادی کرے یا دس‘ مجھے فرق نہیں پڑتا‘ لیکن آپ کی دوسری شادی سے بھی مجھے فرق پڑتا ہے اور اتنی بڑی بات کہہ کر کہتے ہیں کہ میں حیران بھی نہ ہوں‘ سن لیں ہادج! میں آپ کو دوسری شادی کی اجازت کبھی نہیں دوں گی۔“

”میں نے آپ سے اجازت نہیں مانگی‘ صرف اطلاع دی ہے۔“ وہ بڑی تیزی سے اس کی بات کاٹ گئے تھے اور وہ بڑی بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھی‘ ان کے چہرے پر اسے اپنے لیے بہت اجنبیت محسوس ہوئی تھی۔

”باطشہ! میں فیصلہ کر چکا ہوں‘ بہتر ہوگا کہ آپ خود کو اس سچائی کے سامنے کے لیے تیار کر لیں۔“ وہ اس کے آنسو اپنی پوروں پر چنتے ہوئے کہہ رہے تھے‘ اس نے اُن کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

”آپ بھی میرا ایک فیصلہ سن لیں کہ میں اپنے گھر میں دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کروں گی‘ میں آپ کو کسی کے بھی ساتھ بانٹنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور آپ نے دوسری شادی کی تو مجھے چھوڑنا ہوگا۔“ اس نے لمحوں میں فیصلہ لیا تھا جبکہ حیران ہونے کی باری اب مسٹر ہادج کی تھی۔

”سن لیں ہادج! شادی کرنے سے پہلے آپ کو مجھے طلاق......“

”چٹاخ......“

”یہ مطالبہ کرنا تو دور کبھی دوبارہ سوچیے گا بھی مت۔“ وہ بہت غصے سے اُسے گھور رہے تھے۔

”نہیں سوچوں گی لیکن آپ کو بھی دوسری شادی کا خیال دل سے نکالنا ہوگا۔“

”میں اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتا اور میں شادی کرنے اور آپ کو طلاق نہ دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔“

”صرف فیصلہ...... یعنی میری کوئی اہمیت نہیں ہے آپ کی نگاہ میں۔“

”بے کار باتیں نہ کریں۔“

”بے کار کی باتیں میں نہیں آپ کر رہے ہیں‘ میری وفا‘ میرے خلوص‘ میری محبت میں تو کوئی کمی نہیں ہوئی ہادج‘ تو پھر آپ کیوں؟“

”مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے آپ کی وفا اور خلوص میں کمی محسوس ہوئی ہے‘ دوسری شادی کرنے کی وجہ پہلی بیوی کی کسی بھی قسم کی برائی یا اچھائی نہیں ہوتی‘ یہ شادی کرنا میری مجبوری ہے اور امید کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ تعاون......“

”میں تعاون ہرگز بھی نہیں کروں گی اور ایسی کیا مجبوری؟“

”پلیز...... میں پہلے ہی پریشان ہوں آپ مجھے مزید پریشان نہ کریں۔“ وہ اس کے سرخ چہرے پر سے نگاہ ہٹا گئے تھے‘ گلابی گال پر انگلیوں کے نشان واضح تھے اور آنکھوں سے برستے موتی‘ وہ کمزور پڑ رہے تھے جبکہ انہیں کبھی بھی کمزور نہیں پڑنا تھا کیونکہ انہوں نے ایک مرتے ہوئے شخص سے وعدہ کیا تھا اور وہ اپنے وعدے کے ہاتھوں مجبور تھے۔

”ٹھیک کہا آپ نے‘ میں آپ کو پریشان ہی تو کرتی ہوں‘ جب سے شادی ہوئی ہے آپ کو پریشان ہی تو کر رہی ہوں لیکن...... اب نہیں کروں گی‘ تنگ آ گئے ہیں ناں آپ مجھ سے تو ٹھیک ہے میں آپ سے بہت دور چلی جاؤں گی۔“ اس نے بہت روتے ہوئے کہا تھا اور وارڈ روب کی جانب بڑھی تھی جبکہ وہ حیرانگی سے اُسے کپڑے سوٹ کیس میں بھرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

”میں نے ایسا کب کہا کہ میں آپ سے تنگ آ گیا ہوں۔“

”نہیں کہا تو اب کہہ دیں‘ کتنی دیر لگے گی‘ فیصلہ کرتے بھی تو آپ کو دیر نہیں لگتی۔“ اس نے سوٹ کیس زور سے بند کرتے ہوئے ان کو دیکھ کر شکوہ کیا تھا لیکن اس کی جان نکل کر رہ گئی تھی۔

”غصے میں آپ ہمیشہ اپنا نقصان کرتی ہیں۔“ دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں خون جم سا گیا تھا اور وہ اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے کھینچ گئی تھی۔

”آپ کو میری ناز برداریاں اٹھانے کی اب ضرورت نہیں ہے‘ جو نئی بیوی لا رہے ہیں اُس کے ناز اٹھایئے گا۔“ اس کے چہرے پر غصہ‘ دکھ اور ناراضی ساتھ ساتھ اُبھر اور معدوم ہو رہے تھے اور اس کا روٹھا لہجہ انہیں باوجود پریشانی کے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

”آپ کو میری دوسری شادی کرنے پر اعتراض ہے یا یہ ڈر ہے کہ میں اس کی ناز برداری کروں گا۔“

”میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونے والی یا اعتراض کرنے والی‘ روٹھنے منانے والی تو آپ لا رہے ہیں‘ ایسے میں آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیسے نہیں ہے‘ آخر آپ میری پہلی بیوی ہیں اور وہ دوسری......“

”وہ دوسری بیوی تو جب کہلائی جب میں یہاں ہوتی‘ میں یہاں سے سارے رشتے ختم کر کے جا رہی ہوں۔“

”باطشہ! رشتے ختم کر دینا کیا اتنا آسان ہوتا ہے۔“

”ہاں...... کیونکہ رشتے ہی نہیں میں نے تو اعتبار بھی بہت آسانی سے ٹوٹتے دیکھا ہے۔“

”باطشہ! نہ آپ کا میں نے اعتبار توڑا ہے اور نہ ہمارا رشتہ توڑنا چاہتا ہوں۔“ وہ اس کے ہٹیلے انداز پر اپنا کنٹرول کھونے لگے تھے۔

''اعتبار تو آپ نے توڑ دیا اور رشتہ بھی بہت جلد ٹوٹ جائے گا کیونکہ میں دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی''۔

''وہ تو آپ کو کرنا پڑے گا کیونکہ میری دوسری بیوی اسی گھر میں آپ کی موجودگی میں آئے گی اور اب میں دوسری بات نہیں سننا چاہتا''۔ اُسے بولنے کو لب کھولتے دیکھ کر کہا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے روم سے نکل گئے تھے اور وہ جو بناء سوچے سمجھے بڑے بڑے فیصلے کیا کرتی تھی اس وقت بھی بیگ اٹھائے کمرے سے نکل آئی تھی' مسٹر دِج آخری سیڑھی پر تھے جب آواز پر انہوں نے مڑ کر دیکھا تھا اور وہ باطشہ کو سوٹ کیس کے ساتھ آتے دیکھ کر شدید مشتعل ہو گئے تھے اور اس سے قبل کہ وہ اُسے کچھ کہتے غانیہ نے انہیں اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

''بھیا جانی! میں نے آپ سے بہت ضروری بات......''

''پلیز غانیہ! میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں''۔ انہوں نے فوراً اُسے کچھ کہنے سے روکا تھا۔

''بھابی! آپ......''

''میں میکے جا رہی ہوں''۔ وہ لمحہ بھر کو اُن کے سامنے رُکی تھی۔

''بھیا جانی! آپ کی بھابی سے لڑائی ہوئی''۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' تم کمرے میں جاؤ میں وہیں آ کر تم سے بات کرتا ہوں''۔ وہ غانیہ کو ٹال کر اُس کے پیچھے گئے تھے' ڈرائیور کو اشارے سے باہر آنے کو کہا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''آپ اگر مجھے روکنے آئے ہیں تو میں نہیں رُکوں گی کیونکہ اگر آپ اپنے فیصلہ پر قائم ہیں تو مجھے بھی آپ میرے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتے''۔ مستقل رونے سے آواز بھاری ہو گئی تھی' انہوں نے کچھ کہے بناء گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

''باطشہ! جب سے ہماری شادی ہوئی ہے آپ نے ہر ایک لمحہ مجھے مایوس کیا ہے' میری بات سنے سمجھے بغیر مجھ پر بہتان باندھے ہیں' میں چاہتا تو شادی آپ کو بتائے بغیر کر سکتا تھا لیکن میں نے آج تک جان کر کسی کو دھوکا نہیں دیا' اس لیے آپ کو شادی سے پہلے بتایا' آپ کا ردعمل فطری تھا لیکن آپ نے میرے اعتبار کو شک کی نگاہ سے دیکھ کر مجھے آج ایک بار پھر بے وقعت کر دیا' یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میں شادی کیوں کر رہا ہوں' خود سے ہمیشہ کی طرح ہزار مفروضے گڑھ لیے' یہ آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ زندگی مفروضہ نہیں ہے' جیتی جاگتی ایسی سچائی ہے جس پر جھوٹ اور بدگمانی کی گرد پڑ جائے تو وہ بے رنگ ہو جاتی ہے اور آپ نے میری زندگی کو بے رنگ دوسری دفعہ کیا ہے' آپ میری زندگی سے جانا چاہتی ہیں تو جائیے' میں آپ کو نہیں روکوں گا مگر یاد رکھیئے گا میں نے دل سے جس عورت کو چاہا صرف اُسی کو شریک زندگی بنایا' اب میری زندگی میں کوئی آئے یا جائے مجھے فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اُس عورت کا مقام کم ہونا ہے کیونکہ کوئی بھی شادی دوسری یا تیسری تو کر سکتا ہے لیکن زندگی میں سچی محبت ایک ہی کافی ہوتی ہے''۔ گاڑی زمان ہاؤس کے سامنے روکے وہ گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا' وہ پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ جتنی خاموشی سے آگے آ کر بیٹھی تھی اُتنی ہی خاموشی کے ساتھ مسٹر دِج نے گاڑی بیک کر لی تھی' گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

............☆☆☆............

''ہادج! میں ایک جلد باز عورت ہوں اور اس جلد بازی میں ہمیشہ میں نے اپنا نقصان کیا ہے''۔ مسٹر دِج اُسے

ربانی ولاز میں چھوڑ کر خود باہر چلے گئے تھے اور رات گئے لوٹے تھے اور اس وقت وہ اسٹڈی میں بیٹھے کسی گہرے خیال میں تھے جب باطشہ اسٹڈی میں آئی تھی اور دوزانو بیٹھ کر اُن کے زانو پر سر رکھ کر دھیرے دھیرے بولنا شروع ہوئی تھی اس وقت وہ تنہائی چاہتے تھے لیکن اُسے بولنے سے انہوں نے روکا نہیں تھا اور اسٹڈی کی خاموش فضا میں اس کے آنسوؤں میں بھیگی آواز وقفے وقفے سے ارتعاش پیدا کرنے لگی تھی۔

''بابا مجھے چاہتے تھے بچپن سے انہوں نے میری ہر خواہش پوری کی وہ بھی جسے پورا کرنا اُن کی استطاعت سے باہر تھا' میں نے گھر سے باہر تک صرف محبتیں سمیٹیں' مجھے کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا' نہ ایسا موقع کبھی آیا کہ مجھے کوئی بہت بڑا فیصلہ لینا پڑتا اور میں بہت سی بے خلوص چاہتیں سمیٹتی سمیٹتی خود پسند ہو گئی' میں کبھی بھی اس انسان سے بات نہیں کرتی تھی جو مجھے ناپسند ہو اور یہ میری جلد بازی کی ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ میں پہلی ہی نگاہ میں کسی کو بھی جانے سمجھے بغیر پسند اور ناپسند کی سند عطا کر دیا کرتی تھی اور اس وجہ سے میں نے کتنے ہی اچھے لوگوں کو پانے سے پہلے ہی کھو دیا اور مجھے اس کا احساس خود سے کبھی نہیں تھا' بابا جانی اور باسطہ میری اس خامی کو سمجھ گئے تھے اور مجھے اس سے نکلنے اور چھوڑنے کے مواقع دیتے تھے لیکن میں تو اسے اپنی خامی سمجھتی ہی نہ تھی اس لیے یہ آج تک مجھ میں موجود ہے''۔ وہ پوری توجہ سے اُسے سن رہے تھے' وہ لحظہ بھر کو خاموش ہوئی تھی اور سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں سیکنڈ ایئر میں تھی اور میرا کالج ٹرپ پر جا رہا تھا' بابا جانی مجھے تنہا اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتے تھے لیکن میں جانا چاہتی تھی اور ایک صبح میں بابا جانی کو ناراض کر کے اور خود ناراض ہو کر انہیں منانے میں ناکام ہو کر بڑے غصے میں کالج کے لیے نکلی تھی' مجھے غصہ بابا جانی کے نہ ماننے پر تھا وہ کیوں مجھے ٹرپ پر نہیں بھیج رہے تھے' میں جو گھر سے 5 منٹ کی واک پر بس میں سوار ہوا کرتی تھی اس دن غصے میں پیدل ہی چلی جا رہی تھی کہ بے دھیانی میں گاڑی سے ٹکرا گئی' غلطی میری تھی لیکن میں نے کبھی اپنی غلطی نہیں مانی تھی اس لیے میں غصے میں اس شخص کو سنانے لگی تھی' مجھے چہرے پڑھنے کا ہنر نہیں آتا اور میں نہیں جانتی کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا تھا' وہ شخص میری تکلیف کا باعث بنا تھا اس لیے وہ میری ناپسندیدہ افراد کی لسٹ میں شامل ہو گیا تھا' میں خود کو راحت پہنچانے والوں کو تو بھول جاتی تھی لیکن اُن کو میں کبھی نہیں بھولتی تھی جو مجھے نقصان پہنچانے کا باعث بنے ہوں اور اس لمحے مجھے اپنے سامنے کھڑے فکرمند انسان سے نفرت سے ہو گئی تھی اور جس لمحے میں نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھی تھیں میں ایک خوف کے حصار میں بندھ گئی تھی' میں نے کسی کی اتنی سرخ آنکھیں پہلی دفعہ دیکھی تھیں اور میں جو اُسے اور سنانے کا ارادہ رکھے ہوئے تھی خاموش ہو گئی تھی اور گھر آنے تک وہ چہرہ میری آنکھوں میں نقش ہو گیا تھا' اس کے باوجود کہ مجھے اس شخص سے دوبارہ ملنے کی نہ اُمید تھی اور نہ ہی چاہ...... میں ٹرپ پر چلی گئی اور واپس آئی تو ایک قیامت میری منتظر تھی' بابا جانی کو وہیل چیئر پر دیکھ کر میں اندر تک ٹوٹ گئی تھی' امو جان اور باسطہ اور خود بابا جانی اتنی بڑی تبدیلی کو قبول کر رہے تھے لیکن مجھ سے نہیں ہو رہا تھا۔ بابا مجھے دھیرے دھیرے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن میرے اندر انہیں اس حالت میں دیکھ کر اب بھی بہت اداسی تھی اور میری یہ اداسی اس وقت اور بڑھ جاتی تھی جب میرے بابا جانی کے پاس' اُن سے ملنے آتے اُس شخص سے میری پہلی ملاقات بہت بُری تھی اس وجہ سے یا اس کا آنا مجھے رحم کا سا احساس دلاتا تھا' بات کچھ بھی تھی مجھے اس شخص کا اپنے گھر آنا سخت ناپسند تھا اور میں دل کی بات دل میں رکھنے کی عادی نہ تھی میں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا لیکن میرے بابا جانی اُس شخص کی تعریفوں کے پل باندھنے لگتے' امو جان اُن کی رحم دلی کے قصے بیان کرنے لگتیں اور باسطہ بھی اُن کے قصیدے پڑھتی' اتنی تعریفیں کرتی کہ

مجھے اس شخص سے مزید چڑ ہونے لگی اور ایسا پہلی دفعہ تھا کہ میں کسی کی برائی کر رہی تھی اور میرے گھر والے اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھے اور ایک دن میں اس کی بہت دل کھول کر برائیاں بیان کر رہی تھی اور اس میں، میں نے مبالغہ آرائی کی بھی حد کر دی تھی، وہ کچھ بھی بیان کیا تھا جو شاید ان میں نہ تھا اور تھا بھی تو میرے علم میں نہ تھا، کیونکہ میں نہ چہرہ شناس تھی نہ لوگوں کو سمجھنے کے ہنر سے ہی میں واقف تھی، بولتے بولتے مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اور میں نے اس شخص کو موجود پا کر بھی اس کی شان میں قصیدہ پڑھنا بند نہیں کیا تھا، کیونکہ میں اپنے ناپسندیدہ لوگوں کو اپنے آس پاس سے ہٹانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھی اور میرا خیال تھا وہ اس کے بعد ہمارے یہاں آنا بند کر دے گا اور جب واقعی اس نے آنا چھوڑ دیا تو میں بہت خوش تھی لیکن گھر والے اس کے نہ آنے پر پریشان تھے۔ میں یکسوئی سے پیپرز کی تیاری کرنے لگی اس دن میرا آخری پیپر تھا اور میں گھر جانے کے لیے اسٹاپ پر کھڑی تھی جبھی ایک گاڑی میرے بہت نزدیک آ کر رُکی تھی میں قدم پیچھے نہ ہٹاتی تو ضرور گاڑی کے نیچے آ گئی ہوتی، میں سچویشن سمجھی بھی نہ تھی کہ گاڑی کا دروازہ کھلا تھا اور کسی نے مجھے بازو سے تھام کر بڑی عجلت میں گاڑی میں دھکیل دیا تھا، وہ گاڑی تو میں پہچان گئی تھی کیونکہ وہی کار ہر اتوار کو دو مہینے پہلے ہمارے دروازے پر کھڑی ہوا کرتی تھی، میں اس سچویشن پر بہت پریشان تھی اور چیخنے لگی تھی، اس شخص نے زوردار تھپڑ میرے منہ پر مار کر میرے منہ پر ٹیپ لگا دیا تھا اور میرے ہاتھ بھی باندھ دیے تھے اور میں کچھ نہ کر سکی تھی لیکن خود کو اس شخص کے خیال سے نہ روک سکی تھی اور میری معمولی سی ناپسندیدگی اس لمحہ شدید نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی“۔ باطشہ ان لمحوں کی اپنی بے بسی پر آنکھیں نم ہونے سے نہ روک سکی تھی اور اس کے خاموش ہونے پر انہیں یاد آیا تھا اس دن اُن کی کار غانیہ لے کر گئی تھی کیونکہ وہ اُن سے ملنے آئی تھی اور اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی، غانیہ نے ڈرائیور کو گاڑی لے جانے کے لیے کہا تھا اور باذل ربانی جو بہت دن سے گھناؤنی سازش کو انجام دینے کے لیے پلاننگ کر رہا تھا اُسے موقع مل گیا تھا اور گاڑی چونکہ مسٹر دِج کی تھی اس لیے باطشہ پہلے ہی موڑ پر اُن سے بدگمان ہو گئی تھی، مسٹر دِج نے ایک نگاہ ڈالی تھی وہ سوجی ہوئی آنکھوں اور متورم چہرے کے ساتھ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی، ان کے دل میں آئی کہ آگے بڑھ کر اس کے آنسو سمیٹ لیں مگر شاید اس طرح اس کی توجہ بٹ سکتی تھی اور وہ آگے شاید کچھ نہ کہہ پاتی، اسی ڈر سے وہ بہت خاموشی سے اُسے سن رہے تھے۔

”میں نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی تھی، معمولی اور شدید ناپسندیدگی، نفرت کے زمرے میں نہیں آتی، لیکن اس دن میں نے ایک شخص کے لیے اپنے دل میں نفرت محسوس کی تھی، میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا وہ شخص اپنی انسلٹ کا مجھ سے اتنا بڑا بدلہ لے گا، مجھے اندازہ ہوتا تو میں ہزار مخالفتوں کے باوجود ایک لفظ نہ کہتی کیونکہ مجھے اپنی فطرت سے زیادہ اپنے وقار سے پیار تھا، لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ زخم دینے والا ہی مرہم بھی لگائے گا لیکن جس دن اس نے رشتہ ڈالا تھا اس کے دو گھنٹے بعد مجھے فون کال آئی تھی اور اس لڑکی نے جو کچھ کہا میں اس پر فوراً ایمان لے آئی تھی لیکن شادی سے انکار کا اختیار میرے پاس نہ تھا، میرے بابا جانی کی آنکھیں نم تھیں اور امو جان کی بھیگی پلکوں پر لکھا تھا کہ میں انکار نہ کروں اور میری بہن جس کی کوئی غلطی نہ تھی اس کی منگنی ٹوٹ گئی تھی اور اس کی کہیں اور شادی ہونے کے لیے ضروری تھا کہ میں اپنا منحوس سایہ اس پر مزید نہ ڈالتی، اور یہی سوچ تھی جو میں نے تصویریں کسی کو بھی نہیں دکھائیں اور اُسی شخص کے ساتھ رخصت ہو گئی جو میری رسوائی کا ذمہ دار تھا لیکن یہ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ جسے میں اپنا مجرم سمجھتی ہوں وہ میرا مسیحا ہے اور اس کا اندازہ مجھے باذل ربانی کی باتیں سننے سے پہلے سے تھا لیکن اعتراف جرم مجھے کرنا نہیں آتا تھا، میں نے زندگی میں کسی کو سوری نہیں کہا تھا چاہے غلطی میری کیوں نہ ہو میں محبت

اور اَنا کے بیچ ڈول رہی تھی، میں نہیں جانتی کہ وہ کون سا لمحہ تھا جو مجھے محبت کے حصار میں باندھ گیا اور میں چونکہ کبھی کسی کی معمولی سی غلطی بھی معاف کرنے کی عادی نہیں تھی اس لیے مجھے لگتا کہ جس دن یہ بات کھلی کہ میں غلط اور آپ صحیح ہیں آپ مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں گے، اس لیے میں چپ رہی مگر ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے اعتراف کرنا پڑا اور آپ نے سوری کرنے سے پہلے ہی مجھے معاف کر دیا اور یہاں میرے دل میں دوسرا خوف پیدا ہو گیا کہ آپ مجھے چھوڑ نہ دیں ورنہ آپ بابا جانی کو کیا جواب دیں گے، یعنی مجھے لگتا کہ میرا گناہ بہت بڑا ہے اور آپ عام انسان ہیں کوئی فرشتہ نہیں جو اتنے آرام سے مجھے معاف کر دیا مگر آپ کی یقین دہانی، آپ کا پیار اور توجہ میرے خوف کو زائل کرنے لگا، مگر جب آپ نے دوسری شادی کی بات کی تو مجھے لگا کہ آپ صرف اس لیے شادی کر رہے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ غلط کر چکی تھی، یہ خیال مجھے نہیں آیا کہ یہی کرنا ہوتا تو آپ مجھے معاف نہ کرتے، مجھے محبت نہ دیتے، لیکن مجھے تو بس اتنا سمجھ آیا کہ آپ دوسری شادی کر رہے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اسے آپ میری خود غرضی کہیں یا میری چاہت کہ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی اور آپ کی زندگی میں شامل ہو اور میں نے ہادج آپ کو یہ سب صرف اس لیے بتایا ہے کہ آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اور باخدا ہادج! میں نے آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہی تھی اور نہ ہی میں بے اعتباری کا شکار ہوں، مجھے آپ پر تو خود سے زیادہ اعتبار ہو چلا ہے اور میں آپ پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی، جو غلطی ایک بار کر چکی ہوں اُسے دہرانا نہیں چاہتی تھی لیکن انجانے میں وہی خطا کر بیٹھی مگر ہادج! میرا یقین کریں میں نے شروع سے آج تک آپ کو انجانے میں غلط ٹھہرایا ہے، اپنی اَنا پرست فطرت کی وجہ سے میں شروع میں آپ کی اچھائیوں کا آپ سے اعتراف نہ کر سکی لیکن میرے دل نے ہمیشہ آپ کے لیے گواہی دی ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ کس سے اور کیوں شادی کر رہے ہیں، لیکن...... میں آپ کی طرح مہان نہیں ہوں، آپ اپنے علاوہ سب کے بارے میں سوچتے ہیں اور میں بہت خود غرض ہوں صرف اپنے بارے میں سوچتی ہوں اور میری محبت آپ کو کسی کے ساتھ بھی نہیں بانٹ سکتی“۔ وہ ماتھا اُن کے گھٹنے پر ٹکا گئی تھی اور آنسو اُن کی پینٹ میں جذب ہونے لگے تھے۔

”باطشہ کیسے جانتی ہیں کہ میں کس سے شادی......؟“

”آپ یہی سوچ رہے ہیں کہ میں یہ کیسے جانتی ہوں؟ آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے میں کمرے میں آ گئی تھی اور جب آپ کافی دیر تک نہیں آئے، میں نے آپ کو کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی مگر آپ میرا فون نہیں اٹھا رہے تھے تب میں اسٹڈی میں چلی آئی تھی، یہاں میں بہت کم آئی ہوں مگر اس وقت میں ٹینشن میں یہاں صرف یہ سوچ کر چلی آئی تھی کہ آپ ٹینشن میں یہاں آتے ہیں تو جب کئی گھنٹوں بعد یہاں سے نکلتے ہیں تو کسی پریشانی کا شائبہ تک نہیں ہوتا، ڈھیر ساری کتابوں میں سے میں نے اشفاق احمد کی کتاب اٹھائی تھی کیونکہ یہ کتاب میں نے اکثر آپ کے ہاتھوں میں دیکھی تھی جیسے ہی میں نے کتاب کھولی اس میں سے ایک کاغذ گرا، جسے اٹھا کر میں نے پڑھ لیا اور وہ بات میرے علم میں آ گئی جس سے میں لاعلم تھی“۔ اس نے دوبارہ کتاب کھول کر وہ کاغذ مسٹر دِج کی جانب بڑھا دیا تھا اور وہ باذل ربانی کا خط ہاتھ میں پکڑے گہری سانس لے کر رہ گئے تھے، انہوں نے خط کسی ڈر کے بغیر کتاب میں اس لیے رکھ دیا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ یہاں اُن کے علاوہ کوئی نہیں آتا مگر بعض دفعہ وہ بھی ہو جاتا ہے جو ہم نے سوچا نہیں ہوتا۔

”باطشہ! جب آپ سچائی جان چکی ہیں تو مجھے یقین ہے کہ آپ میرا ساتھ دیں گی“۔

”میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی ہادج! ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ہی شادی کریں، آپ کسی اور سے بھی تو

شادی کروا سکتے ہیں"۔

"کیا تو واقعی بہت کچھ جا سکتا ہے مگر میں اب وعدہ کر چکا ہوں اور نہیں چاہتا کہ روزِ محشر کوئی میرا گریبان تھام کر مجھے وعدہ خلاف کہے' میں نے شادی کرنے اور اُسے خوش رکھنے کا وعدہ......"

"ہادج! شادی کر کے تو آپ وعدہ نبھا لیں گے لیکن یہ آپ دعوئی سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ اُسے خوش رکھیں گے یا وہ آپ کے ساتھ خوش رہے گی؟ آپ نے سب کچھ خود سے طے کر لیا اس کی مرضی بھی تو پوچھیں' وہ آپ کے ساتھ شادی کرنا چاہتی بھی ہے یا نہیں؟"

"یہ بھی ایک مسئلہ ہے لیکن میں پہلے آپ کو بتانا چاہتا تھا تا کہ آپ کو یہ نہ لگے کہ میں نے سب کچھ طے کر لینے کے بعد محض اپنے فیصلہ سے آپ کو آگاہ کیا ہے"۔

"طے بھی آپ نے پہلے ہی کر لیا ہے اور فیصلہ بھی کر چکے ہیں' میری اجازت تو محض فارمیلٹی ہے ورنہ میرے انکار پر آپ بات ختم بھی کر سکتے تھے"۔

"بات ختم کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو یہ بات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو چکی ہوتی اور یہ شادی میری خواہش یا میرے فیصلے پر نہیں' ایک باپ کی خواہش اور وعدے کا پاس رکھنے کے لیے ہوگی"۔

"آپ نے ایسا وعدہ کیا ہی کیوں؟ وعدہ کرنے سے پہلے میرے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟"

"آپ مجھے کیوں نہیں سمجھ رہی ہیں باطشہ! میں بہت مجبور ہو گیا تھا' میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی' میں نے کہا تھا کہ وہاج سے نہیں تو میں بہت اچھے لڑکے سے غانیہ کی شادی کرواؤں گا' لیکن وہ میرے سامنے ہاتھ جوڑنے لگے' میں نے کہا میں نے غانیہ کو ایک بہن ایک بیٹی کی نگاہ سے دیکھا ہے' انہوں نے کہہ دیا کہ وہ میری اچھائی اور رشتوں کا تقدس تھا لیکن غانیہ میری سگی بہن نہیں ہے اور یہ کہ اسلام مجھے غانیہ سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے' آپ نہیں جانتیں اس وقت مجھے کتنا غصہ آیا تھا' رشتے مذاق نہیں ہوتے' میں نے صاف انکار کر دیا تھا اور انہوں نے میرے پیر پکڑ لیے' اس شخص نے جو میرے باپ کا بھائی تھا جسے میرا باپ بہت چاہتا تھا اتنا کہ اپنا خون بھی اُسے معاف کر دیا تھا اور آپ خود بتاؤ جب میرا چاچا میرے پاؤں پکڑے مجھ سے فریاد کرے کہ میں اس کی بیٹی کو اپنا نام دے کر اُسے اپنا لوں' اسے خوشیاں دوں کیونکہ انہیں لگتا تھا کہ میں ہی صرف غانیہ کو خوشیاں دے سکتا ہوں' میں ان کا یقین توڑ دیتا' ان کی بات ماننے سے انکار کر دیتا لیکن ان کا اس طرح میرے پاؤں پکڑنا' میرے اور ان کے رشتے کی توہین تھا اور میں رشتوں کی توہین نہیں کر سکتا تھا میں نے اُن سے وعدہ کر لیا کہ میں غانیہ سے شادی کروں گا' ان سے وعدہ کر لیا اور 2 دن بعد ہی وہ دل کا دورہ پڑنے سے زندگی ہار گئے اور میں زندہ ہوتے ہوئے بھی جیسے مردوں میں سے ہوں"۔ باطشہ ان کو دیکھنے لگی تھی' ان کے چہرے پر ایسا دکھ تھا کہ وہ کانپ اٹھی تھی۔

"ہادج......"

"باذل چاچو نے مجھ سے ہمیشہ میرے رشتے چھینے ہیں' ماں باپ' چاچو' بہن' بیٹی انہوں نے جیسے دھیرے دھیرے ہر رشتہ سے محروم کر دیا' انہوں نے ہی میری محبت کو مجھ سے بدگمان کیا لیکن میں نے اُن سے کسی قسم کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کی کیونکہ بابا جانی نے مجھ سے وعدہ لیا تھا' وہ جیل گئے لیکن میں نے اُن کے حق میں گواہی دی اُن کے تمام جرموں کے باوجود کیونکہ میں اُن کو سزا نہیں دلوانا چاہتا تھا میں تو بس اتنا چاہتا تھا کہ وہ لوگوں کی زندگی سے کھیلنا چھوڑ دیں اور شاید کوئی اچھائی اُن پر اثر انداز ہو ہی گئی تھی جو انہوں نے اپنے ہر ایک جرم کا

اعتراف کر لیا اور میں نے اپنے ساتھ ہوئی اُن کی ہر زیادتی کو بھلا کر انہیں معاف کر دیا لیکن نغمہ کی ماں انہیں بیٹی کا قتل معاف نہ کر سکی اور انہیں عمر قید کی سزا ہو گئی۔ غانیہ کو جب احمر نے طلاق دی تو میں نے اسے سہارا دیا کیونکہ میں اپنا فرض سمجھتا تھا لیکن باذل چاچو نے مجھے غانیہ سے شادی کرنے کے لیے مجبور کر کے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں یہ بات غانیہ کے لیے بھی قابل قبول نہ ہوگی اور مجھے آپ سے اجازت کے ساتھ غانیہ کو راضی کرنے کی مشقت اٹھانا پڑے گی اور اس کوشش میں' میں کس درد سے گزر رہا ہوں اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتیں"۔

"بھائی! شاید اندازہ نہ لگا سکتی ہوں مگر میں لگا سکتی ہوں"۔ آواز پر وہ دونوں ساتھ پلٹے تھے اور غانیہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے اور اس کی بہتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ان کے لیے لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ اُن کی کچھ نہ کچھ باتیں سن چکی ہے۔

"غانیہ......" مسٹر دِج نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ ہاتھ کے اشارے سے روک گئی تھی۔

"آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ سے شادی کروں گی"۔ اس نے "آپ سے" پر زور دے کر کہا تھا۔

"آپ نے مجھے آپ سے' خود سے اور بھابی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا' اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی' آپ کون ہوتے ہیں میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے' آپ نے مجھ سے میری مرضی پوچھے بناء ڈیڈ سے کیسے وعدہ کر لیا؟ آپ کو تو دیوتا بننے کا بہت شوق ہے ناں' انکار کرتے تو آپ کا بت پاش پاش ہو جاتا اس لیے آپ نے اقرار کر لیا' میرے بارے میں تو سوچتے کہ میں آپ کا وعدہ نبھانے میں آپ کا ساتھ دوں گی یا نہیں' بس آپ تو ڈیڈ کی نگاہ میں دیوتا بن گئے اور مجھے میری ہی نگاہ میں حقیر کر دیا"۔

"غانیہ......!"

"مت نام لیں میرا! آپ نے سارے معتبر رشتے اپنے ایک وعدے کی نذر کر دیئے' مجھے کتنا مان تھا آپ پر' جب بھی کوئی مشکل آئی تو ڈیڈ سے نہیں کہتی تھی آپ کے پاس بھاگی بھاگی آتی تھی' آپ کو ایک دوست' بھائی' باپ اور ماں کے درجے پر فائز کیا' آپ نے ایک جھٹکے میں مجھ سے میرے سارے رشتے چھین لیے"۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو غانیہ! میرے دل و نگاہ میں تمہارے لیے آج بھی صرف پاکیزگی بسی ہے"۔

"صفائی نہ دیں بھیا جانی! کیا میں آپ کو جانتی نہیں' رشتوں کا احترام کرنا میں نے آپ سے ہی تو سیکھا ہے اور اسی لیے تو مجھے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے' آپ نے کیوں ڈیڈ کی بات مانی' وعدہ کرنے کے بجائے انکار کیوں نہیں کر دیا جبکہ آپ ڈیڈ کو جانتے بھی ہیں' آپ کو کیا لگتا ہے انہوں نے آپ کی منت اس لیے کی تھی کہ انہیں میری فکر تھی' میری فکر ہوتی تو وہ ایسا سوچتے بھی نہیں' انہوں نے صرف اپنے بارے میں سوچا' ساری زندگی دولت کے پیچھے بھاگتے رہے اور بھیا جانی! ڈیڈ نے اعتراف جرم کیا ہی اس لیے تھا کہ انہیں یقین تھا کہ آپ اُن کا ہر گناہ معاف کر دیں گے اور آپ نے کیا بھی ایسا ہی لیکن ہر کوئی آپ کی طرح نہیں ہوتا' نغمہ کی ماں انہیں بیٹی کا قتل معاف نہ کر سکی اور آپ نے ماں باپ......"

"گزری باتیں کیوں دُہرا رہی ہو"۔

"مجھے دُہرا لینے دیجیے' بھیا جانی! ڈیڈ کا آپ نے ہر گناہ معاف کر دیا لیکن پھر بھی انہیں سزا ملی' دولت نہیں رہی ان کے پاس لیکن دولت پانے کی بھوک ختم نہیں ہوئی' میری شادی وہ شروع سے ہی آپ

سے...... لیکن میں نہ آپ' کوئی راضی نہیں ہوئے' مجھے احمر سے محبت ہوگئی اور کاش بھیا جانی میں باذل ربانی کی بیٹی نہ ہوتی کسی غریب مزدور کی ہوتی تو احمر مجھ سے محبت کا کھیل نہ کھیلتا' یا کاش ڈیڈ کی دولت سانپ بن کر خود اُن سے اور مجھ سے چمٹی رہتی تو شاید احمر کا اصل روپ بھی میرے سامنے نہ آتا' میں نے ساری زندگی اپنے باپ کو دولت کے تعاقب میں دیکھا اور میرے شوہر نے مجھے اسی دولت کی خاطر اپنایا اور جب دولت نہ رہی تو اس نے مجھے ٹھکرا دیا' بھیا جانی! ڈیڈ یہ شادی صرف اس لیے کروانا چاہتے تھے تاکہ آپ کی دولت مجھے مل جائے اور میرے ذریعے وہ آپ کی دولت پر قابض ہوسکیں"۔ وہ غانیہ کو ششدر سا دیکھ رہے تھے' جس شام مسٹر دِج' باذل ربانی سے وعدہ کر کے آئے تھے اس کے اگلے دن غانیہ دل میں ہزار شکووں کے باوجود دل سے مجبور ہو کر پہلی مرتبہ چھ ماہ میں باپ سے جیل میں ملنے گئی تھی اور کاش کہ وہ نہ جاتی تو باپ کا تھوڑا بہت جو مقام اس کے دل میں تھا وہ قائم رہتا' باذل ربانی اپنے انہی عزائم کا اپنے وکیل سے تذکرہ کر رہا تھے جو غانیہ نے سن لیا اس نے انہیں اُن کا گھناؤنا چہرہ دکھایا تھا اور وہاں سے چلی آئی تھی اور باذل ربانی کو دل کا دورہ پڑ گیا تھا وہ 24 گھنٹوں میں زندگی ہار گئے تھے' وہی زندگی جو جیل سے نکلنے کے بعد انہوں نے مسٹر دِج کے پیسوں پر گزارنے کا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

"میں جانتی تھی بھیا جانی! اپنے ڈیڈ کے ہر منصوبے کو لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آپ سے ذکر کرتی"۔ وہ شرمندگی سے کہتی آنسو صاف کرتی اٹھ گئی تھی اور رُخ موڑ کر بولی تھی۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ ڈیڈ کے مجبور کرنے پر آپ نے ایک ایسا وعدہ کیا جو آپ کبھی کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن آج آپ اس وعدے سے آزاد ہو گئے ہیں"۔ وہ یکدم اس کے سامنے آ گئے تھے اور وہ اُن کے کاندھے سے سر لگائے بلکنے لگی تھی۔

"غانیہ! چپ کر جاؤ اور بھول جاؤ اُن سب باتوں کو' جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور اپنے ڈیڈ کی مغفرت کے لیے دعا کرو"۔ باطشہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"بھابی! میرے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے' میرے رشتے میرے کیوں نہیں رہتے' 3 سال کی تھی جب مما مجھے چھوڑ گئیں' میری محبت میرا احمر مجھے چھوڑ گیا اور ڈیڈ جاتے جاتے مجھ سے ایک مان بھرا رشتہ بھی لے گئے"۔

"کچھ نہیں لے گئے انکل' شادی کے لیے کئی پرپوزل آتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جہاں رشتہ نہ ہو سکے وہاں رشتوں کی مٹھاس اور احترام ختم ہو جائے' انکل نے تمہاری اور ہادج کے رشتے کی بات کی' تم ایسا نہیں چاہتیں بات ختم ہو گئی اور اب تم اس سب کو بھول جاؤ' نہ خود کو تکلیف دو اور نہ ہادج کو"۔

............☆☆☆............

"ہادج! دونوں ساتھ ساتھ کتنے اچھے لگ رہے ہیں"۔

"ہوں...... وہاج کی آنکھوں میں آج جو خوشی ناچ رہی ہے ایسی مسرت ہلکورے لیتی میں نے کبھی نہیں دیکھی' خدا میرے بھائی کو ہمیشہ اسی طرح مسکراتا رکھے"۔

"آمین"۔ باطشہ اور مسٹر دِج نے دل سے آمین کہا تھا اور اسٹیج کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ وہاج و باسطہ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے تھے اور ساتھ ہی غانیہ بھی ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی تھی' مسٹر دِج نے اپنے جنرل منیجر اسفند خان سے غانیہ کی شادی کر دی تھی' اسفند خان' غانیہ کا کلاس فیلو تھا اور اُسے پسند کرتا تھا۔ اب اسے غانیہ کا ساتھ نصیب ہو گیا تھا۔

"یہ کیا ہے بھیا جانی؟" دلہن بنی غانیہ حیرت سے مسٹر دِج کے ہاتھ میں فائل دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"یہ میری طرف سے تمہاری شادی کا تحفہ ہے"۔

"یہ میں نہیں لے سکتی ہوں بھیا جانی' سب ہی کچھ تو مجھے آپ نے دے دیا ہے' اب مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔

"تمہیں اب تک جو دیا وہ بھی میں نے اپنی خوشی سے اور یہ بھی اپنی خوشی سے دے رہا ہوں"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فائل اس کی جانب بڑھائی تھی۔

"نہیں بھیا جانی! اس پر میرا حق نہیں ہے' آپ نے جہیز کے نام پر مجھے اتنا کچھ دیا ہے کہ وہی میرے لیے بہت ہے"۔

"بہنوں کو جتنا دیا جائے وہ کم ہوتا ہے غانی! اور میں نے تمہیں صرف تمہارا حق دیا ہے اور جو پراپرٹی میری ہے میں اس پر اپنے ساتھ تمہارا بھی حق سمجھتا ہوں' اس لیے میں نے اپنی آدھی پراپرٹی تمہارے نام کر دی ہے اور یہ لینے سے تم انکار نہیں کرو گی یہ میرا حکم سمجھو یا میری پیار بھری گزارش' لیکن اسے لینے سے انکار مت کرو"۔ مسٹر دِج کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گیا تھا۔

"بھیا جانی! آپ نے مجھے جو دیا ہے وہ میں نے آپ کی محبت اور اپنا حق سمجھ کر قبول کر لیا"۔ وہ فائل لیتے ہوئے بھیگی پلکوں سے مسکرائی تھی اور کچھ فاصلے پر کھڑی باطشہ کے پاس آ رُکی تھی۔

"بھابی! میں یہاں سے بہت کچھ لے کر جا رہی ہوں' مجھے دھن دولت نہیں محبت لے جانی تھی وہ میں نے آپ سے' بھیا جانی سے اور وہاج سے حق کے ساتھ لے لی ہے' بھیا جانی نے جو اپنی پراپرٹی میرے نام کی ہے یہ اُن کی مجھ سے محبت ہے لیکن میں اس پر اپنا حق سمجھ کر بھی نہیں سمجھتی' اس لیے میں یہ آپ کو دے رہی ہوں"۔

"غانیہ......!"

"انکار مت کریں بھابی اور یہ میں آپ کو یا بھیا جانی کو لوٹا نہیں رہی بلکہ یہ میں اپنے بھتیجے کو تحفتاً دے رہی ہوں اور اپنے بھتیجے پر مجھے اتنا حق تو ہے کہ اُسے کچھ دے سکوں"۔ اس نے مسز زمان کی گود میں 2 ماہ کے منہاج ربانی کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم بہت چالاک ہو غانی! مجھے کچھ کہنے کے حق سے ہی محروم کر دیا"۔

"بھیا جانی! مجھے یہ سب نہیں چاہیے' مجھے صرف آپ کا خلوص آپ کی بے لوث چاہت چاہیے تاکہ آپ کے دم سے میرا میکہ آباد رہے"۔ وہ پیپرز پھاڑتے ہوئے بولی تھی' ان کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گیا تھا اور وہ سب مطمئن ہو کر مسکرا دیئے تھے۔ باطشہ نے ایک نگاہ اپنے ہمسفر پر ڈالی تھی۔

"میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ مجھے اتنے اچھے اور اعلیٰ ظرف انسان کی ہمراہی نصیب ہوئی"۔

"بھابی! بھیا جانی کو نظر لگانے کا ارادہ ہے"۔ وہ جو اِن کے مسکراتے چہرے پر سے نگاہ ہٹا نہ سکی تھی وہاج کی آواز پر پہلے چونکی تھی اور سب کو مسکراتے دیکھ کر وہ بھی جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ سے نگاہ جھکا گئی تھی۔

"وجی! تمہاری بھابی نظر لگانے کا ارادہ نہیں رکھتیں بلکہ یہ تو مجھے نظر لگا چکی ہیں"۔ وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے اور وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں سوائے مسکرانے کے کچھ نہ کر سکی تھی۔

"اور میں زندگی بھر ان نیلی کانچ سی ساحر آنکھوں کے حصار میں رہنا چاہتا ہوں"۔ وہ اپنا عکس اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھ کر شرارت سے سرگوشی میں بولے تھے اور اس کی نگاہ حیا سے جھکتی چلی گئی تھی۔

............☆☆☆............